ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ایڈیٹر: محمد حمید کوثر

جون 2025ء | احسان 1404 ھجری شمسی | ذوالحجۃ 1446 ھجری قمری | جلد 08 نمبر 06

اس شمارہ میں

- توحید کی حقیقت
- دنیا کا حقیقی امن خدا کی طرف رجوع کرنے سے وابستہ ہے
- سیرت النبی ﷺ: امن دینے والی ہستی کی طرف توجہ دلانے والی محمد ﷺ کی ذات ہے
- تبرکات؛ ہستی باری تعالیٰ
- عہد نامہ جدید کے چند اختلافات
- تعارف کتاب جین مت؛ کلپ سوتر (Kalpasūtra)
- ردّ دہریت: ایک مشہور دہریہ Richard Dawkins کے اعتراضات کے جواب

ماہنامہ موازنۂ مذاہب

جلد08 شمارہ 06 احسان 1404ھجری شمسی، ذوالحجۃ 1446 ھجری قمری بمطابق **جون** 2025ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	اداریہ؛ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا : مدیر کے قلم سے	2
2	ارشاد باری تعالیٰ : خدا تعالیٰ غیر محدود ہے	5
3	ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم : نہایت خوبصورت انداز میں رسول اللہ ﷺ کے مقام شفاعت کا بیان	6
4	توحید کی حقیقت : امام الکلام	9
5	دنیا کا حقیقی امن خدا کی طرف رجوع کرنے سے وابستہ ہے : امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	10
6	سیرت النبی ﷺ؛ امن دینے والی ہستی کی طرف توجہ دلانے والی محمد ﷺ کی ذات ہے : از افاضات حضرت المصلح الموعودؓ	17
7	تبرکات؛ ہستی باری تعالیٰ: حضرت سیّد میر محمد اسحٰق صاحبؓ	28
8	عہد نامہ جدید کے چند اختلافات: ایم۔ناصر	51
9	انجیل متی کی تفسیر : ابن مقبول	57
10	اَپالونی اَش (Apollonius of Tyana) کے سوانح حیات کا جائزہ اور سفر ہندوستان: اے۔آر۔سدھو	63
11	تعارف کتاب جین مت؛ کلپ سوتر (Kalpasūtra): ابن شاکر، نادر	70
12	ردّ دہریت؛ Richard Dawkins کے اعتراضات کے جواب؛ کائنات کے عجائبات اور عظیم طاقت: وسیمہ اُپل (آسٹریلیا)	84

Office Magazine Muwazna-e-Madhahib
Mohalla Ahmadiyya Qadian
Dt. Gurdaspur-143516
Punjab, India
Email: muwaznamadhahib@gmail.com
Tel: +91-01872-500970, Fax: 500971

اداریہ:

''وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا''

مدیر کے قلم سے

قرآن کریم نے متعدد جگہ پر اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے ارشادات مبارکہ میں بیان فرمایا کہ اس امت میں خدا تعالیٰ ایک شخص کو مبعوث کرے گا جو ''ابن مریم'' کے نام سے مسیح موعود کہلائے گا، جو امام مہدی ہوگا اور خدا کی طرف سے اس کو نبوت کے نام اور مقام سے نوازا جائے گا۔ اور خدائی نوشتوں کے عین مطابق خدا نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کیا۔ جنہوں نے ہندوستان کی منتخب سرزمین کی ایک چھوٹی سی بستی قادیان [ضلع گورداسپور] میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب جماعت کو ایک وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ دیتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِىۡ (المجادلة:22) (ترجمہ: خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے نبی غالب رہیں گے۔ منہ)'' اس آیت میں رسولوں اور نبیوں کے غلبہ سے کیا مراد ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے اسی جگہ آپؑ نے فرمایا: ''اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اُس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اِسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راست بازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔ لیکن اُس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقع دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا

کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔(1) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔(2) دوسرے ایسے وقت جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی۔"

آپؑ چونکہ خدا کی طرف سے نبی تھے اسی لئے آپؑ نے تاریخ انبیاء کی اس سنت کا ذکر کرتے ہوئے اسی سنت مستمرہ کو دوبارہ دہرائے جانے کا ذکر فرمایا۔ اور آپؑ نے بطور مثال یہ بھی بیان فرمایا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے تھے بعینہٖ میری وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی طرح کوئی کھڑا ہو جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ خلافت کے مقام پر فائز ہوئے تھے تو اس مثال کے ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی صفائی اور وضاحت کے ساتھ فرما دیا کہ میرے بعد بھی خلافت ہی ہو گی اور میری وفات کے بعد بھی ابو بکرؓ کے مقام پر خدا کسی ایک شخص کو کھڑا کر دے گا اور یوں خلافت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور وہ سلسلہ یعنی خلافت احمدیت پھر ہمیشہ ہمیش کے لئے قیامت تک جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

اسی سنت اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

"سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو[2] قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو[2] جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے **کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔** اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک مَیں نہ جاؤں۔ لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا **جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی** جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے۔ اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو

جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھلائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں۔ اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔"

[رسالہ الوصیۃ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 304 تا 306]

26 مئی 1908ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور 27 مئی کو حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے انہیں مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں جماعت احمدیہ میں خلافت کا آغاز ہوگیا۔ اور حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب بھیرویؓ نے خلیفۃ المسیح الاوّل کے طور پر احباب جماعت کی بیعت لی، اور اللہ تعالیٰ کا صد ہزار مرتبہ شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم کے ساتھ، خلافت کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور اس وقت حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہٗ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، پانچویں خلیفۃ المسیح کے طور پر جماعت احمدیہ عالمگیر کی قیادت و امامت فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور برکاتِ خلافت کے تازہ بتازہ پھل ہم کھا رہے ہیں۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی وہ باتیں روزِ روشن کی طرح پوری ہو رہی ہیں جو اس نے اپنے ماموروں مرسل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے کی تھیں جن کا آغاز براہین احمدیہ میں اشاعت سے ہوا اور آپؑ کی زندگی کے آخری دنوں تک جاری رہا۔ فالحمدللہ علیٰ ذلك

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں خلافت کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق دے اور جو کڑی دھوپ میں جل رہے ہیں خدا کرے کہ وہ بھی جلد اس شجرِ سایہ دار کے نیچے چلے آویں کہ اب عافیت کا حصار صرف اور صرف خلافتِ احمدیہ ہی ہے۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حصار

ارشاد باری تعالیٰ

خدا تعالیٰ غیر محدود ہے

لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ۔(الانعام:104)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہ غیر محدود ہے جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے: لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ یعنی آنکھیں اس کے انتہا کو نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کے انتہا تک پہنچتا ہے۔“(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد23 صفحہ 97)

آپؑ فرماتے ہیں:

”لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ یعنی خدا کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کنہ کوئی عقل دریافت نہیں کر سکتی۔“(ست بچن، روحانی خزائن جلد10 صفحہ 227)

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”نظریں اس کو نہیں پہنچ سکتیں، لیکن وہ نظروں تک پہنچتا ہے(یعنی انسان اپنے علم کے زور سے اُسے نہیں دیکھ سکتا مگر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اُس کے پاس آکر جلوہ گر ہوتا ہے اور اس طرح انسان کو اُس کی رؤیت ہوتی ہے) اور وہ مہربانی کرنے والا(اور) حقیقت پر آگاہ ہے۔“(تفسیر صغیر زیر آیت)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”آنکھیں اُس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔“(حاشیہ: عوام الناس سمجھتے ہیں کہ نظر آنکھ کی پتلی سے نکل کر دور کی چیزوں کو دیکھتی ہے حالانکہ اس آیت میں اس کا واضح ردّ ہے اور بتایا گیا ہے کہ روشنی خود آنکھ تک پہنچتی ہے۔ اور یہی مضمون اللہ تعالیٰ کی بصیرت رکھنے والوں پر صادق آتا ہے۔ کسی کو اختیار نہیں کہ وہ خود خدا تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھ سے بھی دیکھ سکے۔ ہاں خدا جب خود چاہے تو اپنے نیک بندوں پر ظاہر بھی ہوتا ہے۔)(ترجمۃ القرآن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ زیر آیت)

نہایت خوبصورت انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام شفاعت کا بیان

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَهْتَمُّونَ لِذَلِكَ- وقَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فَيُلْهَمُونَ لِذَلِكَ- فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا قَالَ: فَيَأْتُونَ آدَمَ ﷺ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ آدَمُ أَبُو الْخَلْقِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، اشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا، فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ فَيَسْتَحِيي رَبَّهُ مِنْهَا، وَلَكِنِ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللهُ- قَالَ: فَيَأْتُونَ نُوحًا ﷺ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ فَيَسْتَحِيي رَبَّهُ مِنْهَا، وَلَكِنِ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ ﷺ الَّذِي اتَّخَذَهُ اللهُ خَلِيلًا فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ ﷺ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ فَيَسْتَحِيي رَبَّهُ مِنْهَا، وَلَكِنِ ائْتُوا مُوسَى ﷺ الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ- قَالَ فَيَأْتُونَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام، فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ فَيَسْتَحِيي رَبَّهُ مِنْهَا، وَلَكِنِ ائْتُوا عِيسَى رُوحَ اللهِ وَكَلِمَتَهُ فَيَأْتُونَ عِيسَى رُوحَ اللهِ وَكَلِمَتَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ- وَلَكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ-"

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا-

فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ رَبِّي، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ۔ قَالَ فَلَا أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ۔: فَأَقُولُ يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ۔" قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ قَتَادَةُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ......

("صحیح مسلم" کتاب الایمان باب ادنی اَهلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِیهَا حدیث:312(189) دار الکتب العلمیة بیروت 2015ء)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اور لوگ اس وجہ سے فکر مند ہوں گے۔ ابن عبید کہتے ہیں اس لئے ان کے دلوں میں ڈالا جائے گا تو وہ کہیں گے کیوں نہ ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت لے کر جائیں تاکہ وہ ہمیں اس جگہ سے نجات دلائے۔

فرمایا چنانچہ وہ آدم ﷺ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ آدمؑ ہیں ابو البشر ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ کے اندر اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کی خاطر سجدہ کیا آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں کہ وہ ہمیں اس جگہ سے نجات دے۔ آدمؑ کہیں گے میں تو اس مقام پر نہیں ہوں اور اپنی غلطی کا ذکر کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے اپنے رب سے شرمائیں گے اور (کہیں گے) تم نوحؑ کی طرف جاؤ جو پہلے رسول تھے جنہیں خدا نے مبعوث فرمایا۔

پھر لوگ نوح ﷺ کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے میں تو اس مقام پر نہیں ہوں اور اپنی غلطی کا ذکر کریں گے جو اُن سے ہوئی اور وہ اس وجہ سے اپنے رب سے شرمائیں گے اور (کہیں گے) تم ابراہیم ﷺ کے پاس جاؤ جن کو خدا نے گہرا دوست بنایا تھا۔

اس پر لوگ ابراہیم ﷺ کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں اور اپنی اس غلطی کا ذکر کریں گے جو اُن سے ہوئی تھی اور اس وجہ سے اپنے رب سے شرمائیں گے (اور کہیں گے) تم موسیٰ ﷺ کے پاس جاؤ جن سے خدا نے خوب کلام کیا اور انہیں تورات دی۔ فرمایا: تو لوگ موسیٰ ﷺ کے پاس جائیں گے مگر وہ کہیں گے

میں اس مقام پر نہیں ہوں۔ وہ اپنی غلطی کا ذکر کریں گے جو ان سے ہوئی تھی اور اس کی وجہ سے اپنے رب (کے پاس جانے) سے شرمائیں گے (اور کہیں گے) تم عیسیٰؑ کے پاس جاؤ جو روح اللہ اور اس کا کلمہ ہے۔

چنانچہ وہ عیسیٰؑ کے پاس جو روح اللہ اور اس کا کلمہ ہے جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ میں اس مقام پر نہیں ہوں لیکن **تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ وہ ایسے عبد ہیں جنہیں خدا نے اگلے پچھلے گناہوں سے منزہ کیا ہوا ہے۔**

راوی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب وہ میرے پاس آئیں گے۔ میں اپنے رب کے پاس آنے کی اجازت چاہوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی۔ جب میں اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا۔ اللہ مجھے (اس حالت میں) رہنے دے گا جب تک وہ چاہے گا۔ پھر کہا جائے گا اے محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائے گی، مانگو تمہیں دیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ پھر میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو میرا رب مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے وہ ایک حدّ مقرر کر دے گا۔ میں ان کو جہنم سے نکال لوں گا۔ اور جنت میں داخل کر دوں گا۔

پھر میں دوبارہ واپس آؤں گا اور سجدہ میں گروں گا اور جب تک اللہ چاہے گا مجھے سجدہ میں رہنے دے گا پھر کہا جائے گا اے محمدؐ! اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری سنی جائے گی، مانگو تمہیں دیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ تب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لئے وہ ایک حدّ مقرر کر دے گا۔ میں ان کو جہنم سے نکال لوں گا۔ اور جنت میں داخل کر دوں گا۔

راوی کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ تیسری یا چوتھی مرتبہ آپؐ نے فرمایا میں کہوں گا اے میرے رب اب جہنم میں صرف وہ رہ گئے ہیں جن کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی جن پر لمبا عرصہ رہنا واجب ہے۔

❁❁❁❁❁

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارے سیّد و مولیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے يأتي على جهنّم زمانٌ ليس فيها احدٌ ونسيم الصبا تحرك ابوبها۔ یعنی جہنم پر ایک وہ زمانہ آئے گا کہ اُس میں کوئی بھی نہ ہو گا۔ اور نسیم صبا اُس کے کواڑوں کو ہلائے گی۔“ (لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 170)

امام الکلام

توحید کی حقیقت

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ کی ذات تو مخفی در مخفی اور غیب در غیب اور وراء الوراء ہے اور کوئی عقل اس کو دریافت نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ۔(الانعام: 104) یعنی بصارتیں اور بصیرتیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ اُن کے انتہا کو جانتا ہے اور اُن پر غالب ہے۔ پس اُس کی توحید محض عقل کے ذریعہ سے غیر ممکن ہے کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ انسان آفاقی باطل معبودوں سے کنارہ کرتا ہے یعنی بتوں یا انسانوں یا سورج چاند وغیرہ کی پرستش سے دستکش ہوتا ہے ایسا ہی اَنۡفُسِی باطل معبودوں سے پرہیز کرے یعنی اپنی روحانی جسمانی طاقتوں پر بھروسہ کرنے سے اور ان کے ذریعہ سے عُجب کی بلا میں گرفتار ہونے سے اپنے تئیں بچاوے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ بجز ترک خودی اور رسولؐ کا دامن پکڑنے کے توحید کامل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور جو شخص اپنی کسی قُوت کو شریک باری ٹھہراتا ہے وہ کیونکر موحّد کہلا سکتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 148,147)

کلام الامام

دنیا کا حقیقی امن خدا کی طرف رجوع کرنے سے وابستہ ہے

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"آج دنیا ایک اضطراب اور بے چینی کا شکار ہے۔ محدود پیمانہ پر جنگوں کی آگ بھڑک رہی ہے۔ بعض جگہوں پر بڑی طاقتیں یہ دعویٰ کر رہی ہیں کہ ہم امن کے قیام کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ اندیشہ یہ ہے کہ اگر عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہ کئے گئے تو ان چھوٹی چھوٹی جنگوں کے شعلے بہت بلند ہو جائیں گے اور ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔...

مختصر طور پر بیان کروں گا کہ **اسلام کی وہ کون سی تعلیمات ہیں جو دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے ہیں** یا یہ کہ ان تعلیمات کی روشنی میں دنیا میں کس طرح امن قائم کیا جاسکتا ہے؟ ...

آج کے اس دور میں، جب کہ دنیا واقعی سمٹ کر ایک گلوبل ویلج بن گئی ہے جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، ہمیں بحیثیت انسان اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا چاہیئے۔ ہمیں انسانی حقوق کے ان مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ دینے اور ایسی کوشش کرنے کی ضرورت ہے جس سے دنیا میں امن قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوشش عدل کے تقاضے پورے کرنے کی نیت سے اور پوری دیانت داری سے کی جانی چاہیئے۔

اس دور کے مسائل میں سے ایک مسئلہ اگر براہ راست نہیں تو بالواسطہ مذہب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے بعض گروہ مذہب کے نام پر ناجائز حملے یا خودکش دھماکے کرتے ہیں تاکہ غیر مسلموں کو جن میں فوجی اور معصوم شہری بھی شامل ہیں نقصان پہنچائیں یا ہلاک کریں۔ جس کے نتیجے میں معصوم مسلمان، یہاں تک کہ بچے بھی نہایت بے رحمی سے مارے جارہے ہیں۔ اسلام اس ظالمانہ فعل کو کلیۃً ردّ کرتا ہے۔ بعض مسلمانوں کے اس بھیانک طرز عمل کی وجہ سے غیر مسلم ممالک میں ایک بالکل غلط تاثر پیدا ہو چکا ہے جس کے نتیجہ میں معاشرے کے بعض طبقات علی الاعلان اسلام کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ جبکہ بعض دوسرے ایسے ہیں جو اگرچہ کھلم کھلا اظہار تو نہیں کرتے مگر دلوں میں اسلام کے بارے

میں کوئی اچھی رائے بھی نہیں رکھتے۔

یہ وہ صورت حال ہے جس کی وجہ سے مغربی ممالک اور دیگر غیر مسلم ممالک کے لوگوں کے دلوں میں ان چند مسلمانوں کے طرز عمل کے باعث عدم اعتماد پیدا ہو گیا ہے۔ بہتری کی صورت پیدا ہونے کی بجائے غیر مسلموں کا ردّ عمل ہر روز بد سے بدتر ہوتا چلا جارہا ہے۔

اس غلط ردّ عمل کی ایک مثال تو وہ حملے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور کردار پر اور مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن کریم پر کئے جاتے ہیں اس لحاظ سے برطانوی سیاستدانوں، خواہ وہ کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں اور دانشوروں کا رویہ بعض دیگر ممالک کے سیاستدانوں کے رویہ سے مختلف ہے۔ میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ ایسے نازک احساسات کو ٹھیس پہنچانے سے نفرتوں میں اضافہ کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ یہ نفرت پھر بعض انتہا پسند مسلمانوں کو ایسی حرکتیں کرنے پر آمادہ کرتی ہے جو سراسر غیر اسلامی ہیں جن کے نتیجہ میں کئی غیر مسلموں کو پھر موقع ملتا ہے کہ وہ اپنی مخالفت کا اظہار کریں ان حملوں سے ان لوگوں کو جو انتہاء پسند نہیں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت رکھتے ہیں شدید تکلیف پہنچتی ہے۔ ان میں جماعت احمدیہ سر فہرست ہے۔

ہمارا سب سے زیادہ اہم کام ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا کو آنحضرت ﷺ کے کامل اسوہ اور اسلام کی حسین تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ ہم تمام انبیاءؑ کا سچا احترام کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں کہ یہ سب خدا کے فرستادے ہیں۔ اس لیے ہم تو ان میں سے کسی کے خلاف کوئی بے ادبی نہیں کر سکتے لیکن جب ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے خلاف بے بنیاد اور جھوٹے الزامات سنتے ہیں تو ہمارے دل بے حد رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔

آج جب کہ دنیا مختلف بلاکوں میں تقسیم ہوتی جارہی ہے، انتہا پسندی بڑھ رہی ہے نیز مالی اور اقتصادی صورت حال بدتر ہوتی چلی جارہی ہے اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ ہر قسم کی نفرتوں کو مٹا دیا جائے اور امن کی بنیادوں کو استوار کیا جائے۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ **ایک دوسرے کے ہر قسم کے جذبات کا خیال رکھا جائے۔** اگر یہ کام صحیح رنگ میں پوری ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ نہ کیا گیا تو حالات اور زیادہ ابتر ہو جائیں گے اور پھر ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں رہے گا۔ یہ ایک قابل تحسین بات ہے کہ اقتصادی طور پر مضبوط مغربی ممالک نے غریب اور پسماندہ ممالک کے افراد کو اپنے ملکوں میں آکر آباد ہونے کی اجازت دی ہے۔ ان لوگوں میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ حقیقی عدل کا تقاضا ہے کہ ان لوگوں کے جذبات اور مذہبی سرگرمیوں کا بھی احترام کیا جائے۔ یہ وہ طریق ہے جس کو اختیار کر کے لوگوں کے ذہنی اطمینان کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ **ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کسی فرد کا ذہنی اطمینان**

اٹھتا ہے تو پھر معاشرہ کا امن بھی متاثر ہوتا ہے۔

قرآن یہ اعلان کرتا ہے کہ: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (البقرۃ: 257) دین میں کوئی جبر نہیں۔

یہ حکم نہ صرف اس الزام کو رد کر رہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے بلکہ مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ **ایمان لانا ایک ایسا معاملہ ہے جو بندہ اور اس کے خدا کے درمیان ہے جس میں کسی طرح سے بھی مداخلت نہیں ہونی چاہیئے۔** ہر انسان کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے اور عبادت کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن اگر مذہب کے نام پر جاری سرگرمیاں دوسروں کے لئے ضرر رساں ہو جائیں اور ملکی قانون کے خلاف ہوں تب اس ملک کے قانون نافذ کرنے والے ان کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگر کسی مذہب میں کوئی ظالمانہ فعل کیا جا رہا ہے تو وہ ہرگز کسی ایسی تعلیم کا حصّہ نہیں ہو سکتا جو خدا تعالیٰ کے کسی بھی نبی نے دی ہو۔ علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر قیام امن کے لئے یہ ایک بنیادی اصول ہے۔

اگر کوئی معاشرہ، گروہ یا حکومت آج آپ کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں حارج ہے اور کل کو حالات آپ کے حق میں تبدیل ہو جاتے ہیں تو اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ کبھی بھی اپنے دل میں ان کے لئے کوئی کینہ یا نفرت نہ رکھیں۔ آپ کو کبھی انتقام کا خیال نہیں آنا چاہیئے بلکہ آپ کا فرض عدل و انصاف کا قیام ہے، قرآن کریم فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۗ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (المائدۃ: 9)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر مضبوطی سے نگرانی کرتے ہوئے انصاف کی تائید میں گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے جو تم کرتے ہو۔

یہ وہ تعلیم ہے جو معاشرے میں امن قائم کرتی ہے۔ فرمایا کہ اپنے دشمن کے معاملہ میں بھی عدل کو نہ چھوڑو۔ ابتدائی تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ اس تعلیم پر عمل کیا گیا تھا اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے گئے تھے۔ میں یہاں اس کی بہت زیادہ مثالیں تو پیش نہیں کر سکتا مگر تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کوئی انتقام نہیں لیا تھا جنہوں نے آپؐ کو شدید تکالیف دی تھیں۔ آپؐ نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا تھا بلکہ اجازت دی تھی کہ وہ اپنے اپنے دین پر قائم رہیں۔

آج بھی امن صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب دشمن کے لئے بھی عدل کے تمام تقاضے پورے کئے

جائیں اور ایسا صرف مذہبی انتہا پسندی کے خلاف جنگوں میں ہی نہیں بلکہ دیگر تمام جنگوں میں بھی کیا جانا چاہیئے۔ اسی طرح جو امن حاصل ہو گا در حقیقت وہی پائیدار امن ہو سکتا ہے۔

گزشتہ صدی میں دو عالمی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ان کی جو بھی وجوہات تھیں اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک ہی وجہ سب سے نمایاں دکھائی دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ عدل کو صحیح رنگ میں قائم نہیں کیا گیا تھا اور پھر وہ آگ جو بظاہر بجھی ہوئی معلوم ہوتی تھی دراصل سلگتے ہوئے انگارے تھے جن سے بالآخر وہ شعلے بلند ہوئے جنہوں نے دوسری مرتبہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

آج بھی بے چینی بڑھ رہی ہے۔ وہ جنگیں اور دیگر اقدامات جو امن کو قائم کرنے کی خاطر کئے جا رہے ہیں ایک اور عالمی جنگ کا پیش خیمہ بن رہے ہیں۔ موجودہ اقتصادی اور سماجی مسائل اس صورتحال میں اور بھی زیادہ ابتری کا باعث بن رہے ہیں۔ قرآن کریم نے دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے بعض سنہری اصول عطا فرمائے ہیں۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہوس سے دشمنی بڑھتی ہے۔ کبھی یہ ہوس توسیع پسندانہ عزائم سے ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی اس کا اظہار قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی یہ ہوس اپنی برتری دوسروں پر ٹھونسنے کی شکل میں نظر آتی ہے۔ یہی لالچ اور ہوس ہے جو بالآخر ظلم کی طرف لے جاتا ہے۔ خواہ یہ بے رحم جابر حکمرانوں کے ہاتھوں سے ہو جو اپنے مفادات کے حصول کے لئے لوگوں کے حقوق غصب کر کے اپنی برتری ثابت کرنا چاہتے ہوں یا جارحیت کرنے والی افواج کے ہاتھوں سے ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مظلوموں کی چیخ وپکار کے نتیجہ میں بیرونی دنیا مدد کے لئے آجاتی ہے۔

بہر حال اس کا نتیجہ جو بھی ہو **ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنہری اصول سکھایا ہے کہ ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کرو۔** صحابہؓ نے پوچھا کہ مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھوں کو ظلم سے روک کر کیونکہ بصورت دیگر اس کا ظلم میں بڑھتے چلے جانا اسے خدا کے عذاب کا مورد بنادے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاکراہ باب یمین الرجال لصاحبہ ... حدیث: 6952) پس اس پر رحم کرتے ہوئے اسے بچانے کی کوشش کرو۔ یہ وہ اصول ہے جو معاشرہ کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے لے کر بین الاقوامی سطح تک اطلاق پاتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم فرماتا ہے:

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (الحجرات: 10)

ترجمہ: اور اگر مومنوں میں سے دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرواؤ۔ پس اگر ان میں سے ایک دوسری کے خلاف سرکشی کرے تو جو زیادتی کر رہی ہے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل سے صلح کرواؤ اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اگرچہ یہ تعلیم مسلمانوں کے متعلق ہے لیکن اس اصول کو اختیار کر کے عالمی امن کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ آغاز میں ہی یہ بات وضاحت سے بیان ہو چکی ہے کہ **قیام امن کے لئے سب سے ضروری چیز عدل کا قیام ہے۔** اور اصول عدل کی پابندی کے باوجود اگر قیام امن کی کوششیں ناکام ثابت ہوں تو مل کر اس فریق کے خلاف جنگ کرو جو ظلم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ظالم فریق امن قائم کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائے لیکن جب ظالم اپنے ظلم سے باز آجائے تو پھر عدل کا تقاضا ہے کہ انتقام کے بہانے نہ تلاش کرو۔ طرح طرح کی پابندیاں مت لگاؤ۔ ظالم پر ہر طرح سے نظر رکھو لیکن ساتھ ہی اس کے حالات بھی بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ . . .

دنیا میں امن قائم کرنے کی خاطر ہمیں ایک اور اصول یہ سکھایا گیا ہے کہ دوسروں کی دولت کو للچائی نظروں سے مت دیکھو۔

قرآن کریم فرماتا ہے: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔ (طٰہٰ: 132) ترجمہ: اور اپنی آنکھیں اس عارضی متاع کی طرف نہ پسار جو ہم نے ان میں سے بعض گروہوں کو دنیوی زندگی کی زینت کے طور پر عطا کی ہے تا کہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں اور تیرے رب کا رزق بہت اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

دوسروں کی دولت کو لالچ اور حسد سے دیکھنا بھی دنیا میں بڑھتی ہوئی بے چینی کی ایک وجہ ہے۔ ہر مادی آسائش کے حصول میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کے نتیجہ میں ایک نہ ختم ہونے والے لالچ اور حرص نے جنم لیا ہے۔ انفرادی سطح پر اس دوڑ نے معاشرہ کے امن کو تباہ کر دیا ہے۔ قومی سطح پر لالچ کی اس دوڑ کے نتیجہ میں دنیا کا امن برباد ہوا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے اور ہر عقل مند آدمی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ دوسروں کی دولت کے حصول کی خواہش لالچ اور حسد کو بڑھاتی ہے جو درحقیقت خسارہ کا سودا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے وسائل پر نظر رکھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔ ارضی فتوحات کی کوششیں دراصل ان علاقوں کے قدرتی وسائل سے فائدہ اٹھانے

کے لئے کی جاتی ہیں۔ قوموں کے گٹھ جوڑ اور بلاکس بنانا در حقیقت بعض ممالک کے قدرتی وسائل کے حصول کے لئے ہے۔

اس سلسلہ میں کئی مصنفین نے جو حکومتوں کے مشیر رہ چکے ہیں کتابیں لکھی ہیں جن میں اس امر کی تفصیل ملتی ہے کہ کس طرح بعض ممالک نے بعض دیگر اقوام کے وسائل پر قبضہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ ان مصنفین کے بیانات کس حد تک سچ ہیں یہ وہ خود جانتے ہیں یا خدا بہتر جانتا ہے لیکن ان کے پڑھنے سے جو صورتحال سامنے آتی ہے اس سے ان لوگوں کے دلوں میں جو اپنے غریب ممالک کے وفادار ہیں غصہ پیدا ہوتا ہے۔ اور دہشت گردی اور اسلحہ کی دوڑ میں اضافہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

آج یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا ماضی کی نسبت زیادہ ہوش مند، باشعور اور تعلیم یافتہ ہے۔ غریب ممالک میں بھی ایسے ذہین لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنے اپنے میدان علم میں کمال حاصل کر لیا ہے۔ دنیا کے بڑے تحقیقی مراکز میں انتہا درجہ کے ذہین لوگ مل کر مصروف کار ہیں۔ ان حالات میں ہونا یہ چاہیئے کہ لوگ اکٹھے ہو کر اس غلط طرز فکر کا خاتمہ کریں اور ماضی کی ان غلطیوں کو دور کریں جن کے نتیجہ میں عداوتوں نے جنم لیا تھا اور جو خوفناک جنگوں پر منتج ہوئی تھیں۔

خداداد ذہانت اور سائنسی ترقی انسانیت کی بہبود کے لئے استعمال ہونی چاہیئے تھی اور ایسا جائز طریق وضع ہونا چاہیئے تھا جس پر چل کر ایک دوسرے کے وسائل سے استفادہ کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر ملک کو قدرتی وسائل عطا فرمائے ہیں۔ ان تمام وسائل کو اس رنگ میں بھرپور طریق پر استعمال کرنا چاہیئے تھا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی۔ . . .

خدا تعالیٰ انبیاء کو مبعوث کرتا ہے تا کہ وہ ان راہوں کا پتہ دیں جن پر چل کر لوگ خدا کا قرب حاصل کریں مگر اس کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ **دین کے معاملہ میں مکمل آزادی ہے۔**

ہمارے عقائد کے مطابق موت کے بعد جزا سزا ہوگی مگر جب اس کی مخلوق پر ظلم ہوتا ہے اور عدل و انصاف کو نظر انداز کیا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کے وضع کردہ نظام کے تابع قوانین قدرت کے ذریعہ اسی دنیا میں ہی اس کے نتائج دیکھے جا سکتے ہیں۔ ایسی بے انصافیوں کا شدید ردّ عمل لوگوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور اس ردّ عمل کے صحیح یا غلط ہونے کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ دنیا کو فتح کرنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ غریب اقوام کو وہ مقام دینے کی ہر کوشش کی جائے جو ان کا حق ہے۔

آج کا ایک بڑا مسئلہ اقتصادی بدحالی ہے جسے قرض کے بحران (credit crunch) کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس سلسلہ میں جو حقائق سامنے آئے ہیں وہ ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں **قرآن کریم نے سود سے منع کر کے ہماری راہنمائی فرمادی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی لعنت ہے جو عائلی، قومی اور عالمی امن کے**

لئے ایک خطرہ ہے۔

ہمیں متنبہ کیا گیا ہے کہ سود خور کو ایک دن شیطان پاگل کر دے گا۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ایسی صورتحال سے بچیں۔ فرمایا کہ سود کا لین دین ختم کر دو کیونکہ جو روپیہ تم سود کے ذریعہ حاصل کرتے ہو وہ درحقیقت تمہاری دولت میں کسی اضافہ کا موجب نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر یہ لگتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں دولت بڑھ رہی ہے۔ ضرور ایک ایسا وقت آتا ہے جب اس کے حقیقی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے ہمیں سودی کاروبار کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ کہہ کر مزید انتباہ کیا گیا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ بات خدا تعالیٰ سے جنگ کے مترادف ہو گی۔ یہ حقیقت حالیہ اقتصادی بحران سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ شروع میں افراد جائیداد خریدنے کے لئے قرض لیتے تھے مگر اس کی ملکیت حاصل ہونے سے پہلے مقروض ہونے کی حالت میں مر جاتے تھے لیکن اب حکومتیں ہیں جو مقروض ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے پاگل پن کا شکار ہو چکی ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیاں دیوالیہ ہو گئی ہیں۔ بعض بینک اور دیگر مالی ادارے بند ہو چکے ہیں یا انہیں مالی طور پر سہارا دیا گیا ہے۔ اور یہ صورتحال ہر ملک میں خواہ وہ امیر ہے یا غریب نظر آ رہی ہے۔ آپ اس بحران کے بارہ میں مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ لوگوں کا روپیہ جو بینکوں میں تھا وہ تباہ ہو گیا ہے۔ اب حکومتیں ہی ہیں جو دیکھیں گی کہ کس طرح اور کس حد تک انہیں تحفظ دینا ہے مگر فی الوقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک میں گھروں، کاروباری لوگوں اور سرکاری عمائدین کا تمام تر ذہنی سکون تباہ و برباد ہو چکا ہے۔

کیا یہ صورتحال ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتی کہ دنیا اس منطقی نتیجہ کی طرف بڑھ رہی ہے جس کے بارہ میں ہمیں پہلے ہی سے انتباہ کر دیا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان حالات کا انجام کیا ہو گا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتا چکا ہے کہ **امن کی طرف آؤ اور اس کی ضمانت صرف اسی صورت میں دی جا سکتی ہے جب صاف ستھری تجارت ہو اور وسائل کو صحیح طریق پر انصاف کے ساتھ استعمال کیا جائے۔**

اسلامی تعلیمات کے ان چند نکات کا بیان میں اس یاددہانی کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ **دنیا کا حقیقی امن خدا کی طرف رجوع کرنے سے وابستہ ہے۔** خدا کرے کہ ساری دنیا کو یہ بات سمجھنے کی توفیق ملے اسی صورت میں لوگ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہوں گے۔“

(از **برطانوی پارلیمنٹ کے ہاؤس آف کامنز** سے خطاب، فرمودہ 22 اپریل 2008ء بحوالہ ”عالمی بحران اور امن کی راہ“ مجموعہ خطابات حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صفحہ 11 تا 20)

سیرت النبی ﷺ

امن دینے والی ہستی کی طرف توجہ دلانے والی محمد ﷺ کی ذات ہے

(از تقریر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ برموقع جلسہ سیرت النبی ﷺ بمقام قادیان جلسہ 11 دسمبر 1938ء)

- امن اُس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دنیا پر ایک ایسی بالا ہستی ہو جو امن کی متمنی ہو اور جو دوسروں کو امن دینا چاہتی ہو۔
- رسول کریم ﷺ ہی وہ انسان ہیں جن کے ذریعہ دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام امن دینے والا بھی ہے۔
- حقیقی امن تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرے اوپر ایک بالا ہستی ہے جو میرے لئے ہی امن نہیں چاہتی بلکہ ساری دنیا کیلئے امن چاہتی ہے۔
- دنیا میں اِس وقت جتنے فساد اور لڑائیاں ہیں سب اسی وجہ سے ہیں کہ انسانوں کے ارادے صاف نہیں۔
- ایک مختصر ساڈھانچہ اُس تعلیم کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ امن کے سلسلہ میں دی۔

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”امن ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے دنیا ہمیشہ کوشش کرتی چلی آئی ہے۔ یا تو دنیا بیرونی امن کے لئے جدوجہد کرتی ہے یا جب بیرونی امن کے لئے جدوجہد نہیں کر رہی ہوتی یا اس میں کامیاب ہو چکی ہوتی ہے تو اندرونی امن کیلئے جدوجہد کرتی ہے چنانچہ بڑے بڑے دولتمند اور عالم و فاضل جب آپس میں ملتے ہیں تو ان کی گفتگو کا موضوع اکثر یہی ہوتا

ہے کہ اور تو ہمیں سب کچھ میسّر ہے مگر دل کا امن نصیب نہیں۔ پس امن صرف بیرونی ہی نہیں ہوتا بلکہ دل کا بھی ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک دل کا امن نصیب نہ ہو اُس وقت تک ظاہری امن کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔... ظاہری امن اپنی ذات میں اُس وقت تک کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب تک باطنی امن اس کے ساتھ نہ ہو۔ ہمیشہ وہی امن، امن کہلا سکتا ہے جو ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے امن دینے والا ہو۔

اِس وقت دنیا میں ہم عام طور پر یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ امن کے خواہشمند ہیں لیکن امن ان کو میسّر نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اتنی مُخْتَلِفُ الْاَنْوَاع مخلوق ہے کہ جب تک کسی ایک قاعدہ کے ماتحت امن کا حصول نہ ہو، اُس وقت تک سب لوگ مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں انسانوں میں ہزاروں اختلافات پائے جاتے ہیں، ایک دوسرے کے مفاد مختلف ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے جذبات مختلف ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں ان متضاد خواہشوں اور متضاد ضرورتوں کے ہوتے ہوئے دنیا میں امن کس طرح ہو سکتا ہے؟ ایسے متضاد اور مخالف خیالات کی موجودگی میں تبھی امن قائم ہو سکتا ہے جب ساری دنیا ایک ایسی ہستی کی تابع ہو جو امن دینے کا ارادہ رکھتی ہو اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی امن میسّر نہیں آسکتا۔

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک گھر میں ماں باپ ذرا اِدھر اُدھر ہوتے ہیں تو تھوڑی ہی دیر میں بچے لہو ولہان ہو جاتے ہیں۔ کسی کے گلے پر زخم ہوتا ہے، کسی کے بال نوچے ہوئے ہوتے ہیں، کسی کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں، کسی کی آنکھ سُوجی ہوئی ہوتی ہے مگر جب ماں باپ آتے ہیں تو ان کے سامنے ایسی پوپلی شکلیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں گویا وہ لڑائی جھگڑے کو جانتے ہی نہیں اس لئے کہ ماں باپ کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے بچے امن سے رہیں۔ پس درحقیقت امن اُس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دنیا پر ایک ایسی بالا ہستی ہو جو امن کی متمنی ہو اور جو دوسروں کو امن دینا چاہتی ہو اور ایسے قوانین نافذ کرنا چاہتی ہو جو امن دینے والے ہوں اور وہی شخص حقیقی امن دینے والا قرار پا سکتا ہے جو اس ہستی کی طرف لوگوں کو بلائے۔ یہ امن دینے والی ہستی کی طرف توجہ دلانے والی محمد ﷺ کی ذات ہے۔ رسول کریم ﷺ ہی وہ انسان ہیں جن کے ذریعہ دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام امن دینے والا بھی ہے۔

چنانچہ سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کے جو نام گنائے گئے ہیں ان میں سے ایک نام یہ بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ (الحشر:24) اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تو لوگوں کو توجہ دلا اُس خدا کی طرف جو بادشاہ ہے، پاک ہے اور السَّلٰمُ یعنی دنیا کو امن دینے والا اور تمام سلامتیوں کا سرچشمہ ہے۔

یعنی جس طرح ماں باپ یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے بچے لڑیں جھگڑیں یا فساد کریں، بلکہ وہ امن شِکن کو سزا دیتے اور امن قائم رکھنے والے بچے سے پیار کرتے ہیں۔ اس طرح تمہارے اوپر بھی ایک خدا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے مفاد مختلف ہیں، تمہارے ارادے مختلف ہیں، تمہاری ضرورتیں مختلف ہیں، تمہاری خواہشیں مختلف ہیں اور تم بعض دفعہ جذبات میں بے قابو ہو کر امن شِکن حرکات پر تیار ہو جاتے ہو، مگر یاد رکھو خدا ایسی باتوں کو پسند نہیں کرتا وہ سلام ہے جب تک کوئی سلامتی اختیار نہ کرے اُس وقت تک وہ اس کا محبوب نہیں ہو سکتا۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خالی امن کی خواہش امن پیدا نہیں کر دیا کرتی کیونکہ بِالعموم امن کی خواہش اپنے لئے ہوتی ہے دوسروں کیلئے نہیں ہوتی۔ چنانچہ جب لوگ کہتے ہیں دولت بڑی اچھی چیز ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ دشمن کی دولت بھی اچھی چیز ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے لئے اچھی چیز ہے اور جب وہ کہتے ہیں صحت بڑی اچھی چیز ہے تو اس کے معنی بھی یہ نہیں ہوتے کہ میرے دشمن کی صحت اچھی چیز ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے لئے صحت بڑی اچھی چیز ہے ورنہ دشمن کے متعلق تو انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ نادار اور کمزور ہو۔ اسی طرح جب لوگ عزت ورُتبہ کے متمنی ہوتے ہیں تو ہر شخص کیلئے نہیں بلکہ محض اپنے لئے۔ پس جب دنیا کا یہ حال ہے تو خالی امن کی خواہش بھی فساد کا موجب ہو سکتی ہے کیونکہ جو لوگ بھی امن کے متمنی ہیں وہ اس رنگ میں امن کے متمنی ہیں کہ صرف انہیں اور ان کی قوم کو امن حاصل رہے ورنہ دشمن کیلئے وہ یہی چاہتے ہیں کہ اس کے امن کو مٹا دیں۔ اب اگر اس اصل کو رائج کر دیا جائے تو دنیا میں جو بھی امن قائم ہوگا وہ چند لوگوں کا امن ہوگا۔ ساری دنیا کا نہیں ہوگا اور جو ساری دنیا کا امن نہ ہو وہ حقیقی امن نہیں کہلا سکتا۔

حقیقی امن تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرے اوپر ایک بالا ہستی ہے جو میرے لئے ہی امن نہیں چاہتی بلکہ ساری دنیا کیلئے امن چاہتی ہے اور جو میرے ملک کے لئے ہی امن نہیں چاہتی بلکہ سارے مُلکوں کیلئے امن چاہتی ہے اور اگر میں صرف اپنے لئے یا صرف اپنی قوم کیلئے یا صرف اپنے ملک کیلئے امن کا متمنی ہوں تو اس صورت میں مجھے اس کی مدد، اس کی نصرت اور اس کی خوشنودی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عقیدہ دنیا میں رائج ہو جائے تبھی امن قائم ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ پس اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ کہہ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ارادوں کو پاک وصاف کر دیا اور یہ تسلیم شُدہ بات ہے کہ جب تک ارادے درست نہ ہوں اُس وقت تک کام بھی درست نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں اِس وقت جتنے فساد اور لڑائیاں ہیں سب اسی وجہ سے ہیں کہ انسانوں کے ارادے صاف نہیں۔ وہ منہ سے جو باتیں کرتے ہیں ان کے مطابق اُن کی خواہشات نہیں اور ان کی خواہشات کے مطابق اُن کے اقوال و افعال نہیں۔ آج سب دنیا کہتی ہے کہ لڑائی بُری چیز ہے لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اگر ہمارے خلاف کوئی لڑے تو یہ بُری بات

ہے لیکن اگر ان کی طرف سے جنگ کی ابتداء ہو تو یہ کوئی بُری بات نہیں سمجھی جاتی اور یہ نقص اِسی وجہ سے ہے کہ لوگوں کی نظر ایک ایسی ہستی پر نہیں جو سلام ہے۔ وہ سمجھتے ہیں جہاں تک ہمارا فائدہ ہے ہم اِن باتوں پر عمل کریں گے مگر جب ہمارے مفاد کے خلاف کوئی بات آئے گی تو اسے ردّ کر دیں گے۔

پس یہی عقیدہ حقیقی امن کی طرف دنیا کو لا سکتا ہے کہ دنیا کا ایک خدا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ سب لوگ امن سے رہیں۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہو گا تو اُس وقت ہماری خواہشات خود غرضی پر مبنی نہیں ہونگی بلکہ دنیا کو عام نفع پہنچانے والی ہونگی، اِس وقت ہم یہ نہیں دیکھیں گے کہ فلاں بات کا ہمیں فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان، بلکہ ہم یہ دیکھیں گے کہ ساری دنیا پر اس کا کیا اثر ہے۔ یوں تو دنیا ہمیشہ اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کے امن کو برباد کرتی رہتی ہے لیکن اس عقیدہ کے ماتحت ایسا کرنے کی جرأت اس میں نہیں ہوگی کیونکہ وہ سمجھے گی کہ اگر مَیں نے ایسا کیا تو ایک بالا ہستی مجھے کُچل کر رکھ دے گی۔ جیسے ایک بچہ جب دوسرے کا کھلونا چھین لیتا ہے تو وہ اپنے لئے امن حاصل کرلیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرے کا امن چھینا جاتا ہے اور ایک تو خوش ہو رہا ہوتا ہے اور دوسرا رو رہا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا تم سمجھتے ہو کہ ماں باپ یا استاد اگر وہاں موجود ہوں تو وہ اس کھیل کو جاری رہنے دیں گے؟ وہ کبھی اس کو برداشت نہیں کریں گے بلکہ جس بچہ نے کھلونا چھینا ہو گا اس سے کھلونا واپس لے کر اس کے اصل مالک کو دے دیں گے اور جب وہ ایسا کرتے ہیں تب بچہ سمجھتا ہے کہ وہ امن جو دوسرے کے امن کو برباد کر کے حاصل کیا جاتا ہے وہ کبھی قائم رہنے والا نہیں اور حقیقی امن وہی ہے جو ایسی صورت میں حاصل ہو جب کہ کسی کے حق کو تلف نہ کیا گیا ہو۔

غرض حقیقی امن اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک بالا ہستی تسلیم نہ کی جائے اور یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ امن دینے والا ہے صرف اسلام نے ہی پیش کیا ہے اور اسی نے کہا ہے اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ۔

اس کے بعد وہ پیغام ہے جو اس ہستی کی طرف سے آتا ہے کیونکہ جب ایک امن قائم رکھنے کی خواہشمند ہستی کا پتہ مل گیا تو انسان کے دل میں یہ معلوم کرنے کی بھی خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ آیا اس نے امن قائم کرنے کا کوئی سامان بھی کیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر اس نے امن قائم کرنے کا کوئی سامان نہیں کیا تو یہ لازمی بات ہے کہ اگر ہم خود امن قائم کرنے کی کوشش کریں گے تو اِس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ بجائے امن کے فساد پیدا کر دیں۔ پس محض امن قائم کرنے کی خواہش انسان کو صحیح راستہ پر قائم نہیں رکھ سکتی جب تک ایک بالا ہستی کی ایسی ہدایات بھی معلوم نہ ہوں جو امن قائم کرنے میں مُمِدّ اور معاون ہوں کیونکہ اگر انسان کو اپنے بالا افسر کی خواہشات کا صحیح علم نہ ہو تو انسان باوجود اِس آرزو کے کہ

وہ اس کے احکام کی اطاعت کرے اسے پوری طرح خوش نہیں رکھ سکتا۔ پس اگر ہمیں اپنے بالا افسر کی خواہش تو معلوم ہو لیکن اُس خواہش کو پورا کرنے کا طریق معلوم نہ ہو تب بھی ہمارا امن قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ ممکن ہے ہم کوئی اور طریق اختیار کریں اور اس کا منشاء کوئی اور طریق اختیار کرنا ہو۔

پس ہمارے امن کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بالا ہستی ہمیں کوئی ایسا ذریعہ بھی بتائے جو امن قائم کرنے والا ہو سو اِس غرض کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا اس نے کوئی ایسا ذریعہ بتایا ہے یا نہیں، تو سورہ بقرہ میں ہمیں اِس کا جواب نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا (البقرۃ:126) یعنی یہ جو آسمان پر السلام خدا کی خواہش ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو اس کیلئے ضروری تھا کہ ہم ایک مرکز قائم کرتے جو دنیا کو امن دینے والا ہوتا، سو ہم نے بیت اللہ کو مدرسہ بنایا ہے یہاں چاروں طرف سے لوگ جمع ہونگے اور امن کا سبق سیکھیں گے۔ پس ہمارے خدا نے صرف خواہش ہی نہیں کی، صرف یہ نہیں کہا کہ تم امن قائم کرو ورنہ مَیں تم کو سزا دوں گا بلکہ اِس دنیا میں اُس نے امن کا ایک مرکز بھی قائم کر دیا اور وہ خانہ کعبہ ہے۔ فرماتا ہے۔ یہاں لوگ آئیں گے اور اِس مدرسہ سے امن کا سبق سیکھیں گے۔

پھر یہ کہ اِس مدرسہ کی تعلیم کیا ہو گی؟ اس کے لئے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے خبر پا کر اعلان فرما دیا کہ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (المائدۃ:17,16) یعنی اے لوگو! تم تاریکی میں پڑے ہوئے تھے تم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ تم اپنے خدا کی مرضی کو کس طرح پورا کر سکتے ہو اس لئے دنیا میں ہم نے تمہارے لئے ایک مدرسہ بنا دیا ہے مگر خالی مدرسہ کام نہیں دیتا جب تک کتابیں نہ ہوں۔ پس فرمایا قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ خدا کی طرف سے تمہاری طرف ایک نور آیا ہے جو محمد ﷺ کی ذات ہے اور اس کے ساتھ ایک کتابٌ مُبین ہے، ایسی کتاب جو ہر قسم کے مسائل کو بیان کرنے والی ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے اسلام کیلئے امن کا مدرسہ بھی قائم کر دیا، امن کا کورس بھی مقرر کر دیا اور مدرّسِ امن بھی بھیج دیا۔ مدرّسِ امن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور امن کا کورس وہ کتاب ہے جو یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ کی مصداق ہے۔ جو شخص خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اِس کتاب کو پڑھے اِس میں جس قدر سبق ہیں وہ سُبُلَ السَّلٰمِ یعنی سلامتی کے راستے ہیں اور کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں جس پر عمل کر کے انسانی امن برباد ہو سکے۔

ایک بالا ہستی کا وجود ہمارے ارادوں کو درست کرتا ہے، مدرسہ کا قیام ہماری عملی مشکلات کو حل کرنے میں مدد

دیتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اس کتاب کی عملی تفسیر ہے، جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے ذریعہ خدا تعالیٰ نے وہ کتاب بھیج دی ہے جس میں وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جن سے امن حاصل ہو سکتا ہے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ یہ امن جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے کس کیلئے ہے؟ اللہ تعالیٰ اِس کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (النمل:60) یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو کہہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریف اُس اللہ کیلئے ہے جس نے دنیا میں امن قائم کر دیا اور انسان کی تڑپ اور فکر کو دُور کر دیا اور کہو وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى وہ بندے جو خدا تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس کی راہ میں فدا کر دیں اُن کے لئے بھی امن پیدا ہو جائے گا اور وہ بھی با امن زندگی بسر کرنے لگ جائیں گے۔ یہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ تمام لوگ جو آپ کی اِتّباع کرنے والے اور آپ کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے ہیں ان کیلئے کامل امن ہے اور وہ اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی بدامنی نہیں دیکھ سکتے۔

پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب خدا اسلام ہے تو اس کی طرف سے امن ساروں کے لئے آنا چاہئے نہ کہ بعض کیلئے کیونکہ اگر خالی اپنوں کیلئے امن ہو تو یہ کوئی کامل امن نہیں کہلا سکتا۔ اس کا بھی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں جواب دیتا ہے فرمایا وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔ (الزخرف:90,89) محمد رسول اللہ ﷺ ایک ایسی تعلیم لے کر آئے ہیں جو ساروں کیلئے ہی امن کا موجب ہے اور ہر شخص کیلئے وہ رحمت کا خزانہ اپنے اندر پوشیدہ رکھتی ہے مگر افسوس کہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس تعلیم کے خلاف لڑائیاں اور فساد کرتے ہیں جو اِن کیلئے نوید اور خوشخبری ہے۔ یہاں تک کہ محمد ﷺ کو بھی یہ کہنا پڑا کہ خدایا! میں اپنی قوم کی طرف امن کا پیغام لے کر آیا تھا مگر اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ یہ قوم جس کے لئے مَیں امن کا پیغام لایا تھا یہ تو مجھے بھی امن نہیں دے رہی۔ اٰمَنَ کے معنی ایمان لانے کے بھی ہوتے ہیں اور اٰمَنَ کے معنی امن دینے کے بھی ہوتے ہیں۔

قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ میں اسی امر کا ذکر ہے کہ ہمارا نبی ہم سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ خدایا! باوجود یکہ میں اپنی قوم کیلئے امن کا پیغام لایا تھا وہ اِس کی قدر کرنے کی بجائے میری مخالفت پر کمربستہ ہو گئی ہے یہاں تک کہ ان لوگوں نے میرے امن کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ مگر فرمایا فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ہم نے اپنے نبی سے یہ کہا ہے کہ ابھی ان لوگوں کو تیری تعلیم کی عظمت معلوم نہیں اِس لئے وہ غصہ میں آجاتے اور تیری مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں تو اِن سے درگزر کر کیونکہ ہم نے تجھے امن کے قیام کیلئے ہی بھیجا ہے وَ قُلْ سَلٰمٌ اور جب تجھ پر یہ حملہ کریں اور تجھے ماریں تو یہی کہتا رہ کہ مَیں تو

تمہارے لئے سلامتی لایا ہوں فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عنقریب دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) دنیا کیلئے امن لائے تھا لڑائی نہیں لائے تھے۔ گویا وہ امن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لائے وہ صرف مؤمنوں کیلئے ہی امن نہ رہا بلکہ سب کیلئے امن ہو گیا۔

پھر صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی نہیں بلکہ عام مؤمنوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان :64) وہ جاہل جو اسلام کی غرض وغایت کو نہیں سمجھتے جب مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیتے ہیں تو مؤمن کہتے ہیں کہ ہم تو تمہاری سلامتی چاہتے ہیں چاہے تم ہمارا بُرا ہی کیوں نہ چاہو۔ جب دشمن کہتا ہے کہ تم کیسے گندے عقائد دنیا میں رائج کر رہے ہو تو وہ کہتے ہیں یہ گندے عقائد اور بیہودہ باتیں نہیں بلکہ سلامتی کی باتیں ہیں۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لائی ہوئی سلامتی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے ہی نہیں بلکہ مؤمنوں کیلئے بھی ہے اور صرف مؤمنوں کیلئے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کیلئے ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ سلامتی عارضی ہے یا مستقل؟ کیونکہ یہ تو ہم نے مانا کہ ایک اَلسَّلٰمُ خدا سے امن لا کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا کو دیا مگر بعض امن عارضی بھی ہوتے ہیں جن کے نیچے بڑی بڑی خرابیاں پوشیدہ ہوتی ہیں جیسے بخار کا مریض جب ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو اُسے بڑا آرام محسوس ہوتا ہے مگر دو منٹ کے بعد یکدم اُس کا بخار تیز ہو جاتا ہے اور کہتا ہے آگ لگ گئی ہے۔ پھر برف پیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آرام آگیا مگر یکدم پھر اُسے بے چینی شروع ہو جاتی ہے۔ پس سوال ہو سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو امن دے رہے ہیں یہ عارضی ہے یا مستقل؟ اِس کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:26) کہ دنیا فسادوں کی طرف لے جاتی ہے مگر محمد ﷺ کے ذریعہ جو تعلیم دی گئی ہے وہ موجودہ زمانہ کیلئے ہی نہیں بلکہ وہ ایک ایسا امن ہے جو مرنے کے بعد بھی چلتا چلا جاتا ہے اور جو اِس دنیا کے بعد ایک ایسے گھر میں انسان کو پناہ دیتا ہے جہاں سلامتی ہی سلامتی ہے گویا یہ زنجیر ایک مکمل زنجیر ہے۔ اس کے ماضی میں ایک سلام ہستی کھڑی ہے، اس کے حال میں امن ہے کیونکہ ایک مدرسہ امن جاری ہو گیا ہے ایک مدرّس امن خدا تعالیٰ نے بھیج کر امن کا کورس بھی مقرر کر دیا اور عملی طور پر ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا کی مصداق ہے۔

پس اس کے ماضی میں بھی امن ہے اور اس کے حاضر میں بھی امن ہے، پھر اس کے مستقبل میں بھی امن ہے کیونکہ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ مرنے کے بعد وہ انسان کو ایک ایسے جہان میں لے جائے گا جہاں سلامتی ہی سلامتی

ہو گی پس یہ ساری زنجیر مکمل ہو گئی اور کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں رہا۔

اس کے بعد امنِ حقیقی کے قیام کے ذرائع کا سوال آتا ہے۔ سو اِس کے متعلق بھی قرآن کریم روشنی ڈالتا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان سے فرماتا ہے وَ كَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔(الانعام:82) کہ میرے دل کا امن کس طرح برباد ہو جائے ان بتوں کو دیکھ کر جن کو تم خدائے واحد کا شریک قرار دے رہے ہو وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا حالانکہ تم اپنے دلوں میں جھوٹے طور پر مطمئن ہو اور خطرہ تمہارے اِرد گرد ہے۔ پس اگر تم عدمِ علم اور جہالت کے باوجود مطمئن ہو اور تمہارا عدمِ علم تم کو امن دے سکتا ہے تو تم کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ میرا کامل عِلم مجھے امن نہیں بخش سکتا۔ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ تم بتاؤ کہ ان دونوں میں سے کس کو امن حاصل ہو گا۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم حماقت کی باتیں نہ کرو اور عقل و خِرد سے کام لو تو تم سمجھ سکتے ہو کہ کون مأمون ہے اور کون غیر مأمون۔

اس جگہ امن کے قیام کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو عظیم الشان گُر بیان کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ توحیدِ کامل کے قیام کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک توحید قائم نہ ہو گی اُس وقت تک لڑائیاں جاری رہیں گی۔ شرک کا صرف اتنا ہی مفہوم نہیں ہو گا کہ کوئی ایک کی بجائے تین خداؤں کا قائل ہو بلکہ جب باریک در باریک رنگ میں شرک شروع ہوتا ہے تو کئی قسم کا شرک نظر آنے لگ جاتا ہے اس کے علاوہ جب مختلف مذاہب کی تعلیمیں مختلف ہیں، ان کے خیالات مختلف ہیں تو اس حالت میں امن اُس وقت تک قائم ہی نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے اندر حقیقی مؤاخات پیدا نہ ہو اور حقیقی مؤاخات ایک خدا کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں اس بات پر تو لڑائیاں ہو جاتی ہیں کہ ایک کہتا ہے میرا دادا فلاں عظمت کا مالک تھا اور دوسرا کہتا ہے کہ میرا دادا ایسا تھا مگر کبھی تم نے بھائیوں کو اس بات پر لڑتے نہیں دیکھا ہو گا کہ ایک دوسرے کو کہے میں شریف النسب ہوں اور تم نہیں۔ اسی طرح جب دنیا میں توحیدِ کامل ہو گی تبھی اِس قسم کی لڑائیاں بند ہوں گی۔

پس اخوت و مساوات کا جو سبق توحید سے حاصل ہوتا ہے اَور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کے متعلق دشمن بھی یہ اقرار کرتا ہے کہ اخوت کا جو سبق آپ نے دیا وہ کسی اور نے نہیں دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کا سبق الگ کر کے نہیں دیا بلکہ آپ نے اصل میں توحید کا سبق دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں اخوت پیدا ہو گئی۔ مثلاً جب میں نماز میں کہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ(الفاتحہ:2) سب تعریف اُس اللہ کی ہے جو عیسائیوں کا بھی ربّ ہے، ہندوؤں کا بھی ربّ ہے اور یہودیوں کا بھی ربّ ہے تو میرے دل میں ان قوموں کی نفرت کس طرح ہو سکتی ہے کیونکہ میں ربّ العٰلمین کے لفظ کے نیچے تمام قوموں، تمام نسلوں اور تمام مذہبوں کو لے آتا ہوں۔ میں جب نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہوں تو دوسرے الفاظ میں مَیں یہ کہتا ہوں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْمَذَاهِبِ كُلِّهَا یعنی میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو تمام مذاہب کا ربّ ہے۔

اسی طرح جب میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہوں تو اِس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْاَقْوَامِ كُلِّهَا یعنی مَیں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو تمام اقوام کا ربّ ہے۔ اسی طرح جب میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہوں تو اِس کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْبِلَادِ كُلِّهَا۔ یعنی میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جو تمام مُلکوں کا ربّ ہے اور جب کہ میں تمام اقوام، تمام مُلکوں اور تمام لوگوں میں حُسن تسلیم کروں گا تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ مَیں ان سے عداوت رکھ سکوں۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں بتا دیا گیا ہے کہ اگر حقیقی توحید قائم ہو اور رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی حمد سے انسان کی زبان تر ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی قوم کا کینہ انسان کے دل میں رہے اور ایک طرف تو وہ ان کی بربادی کی خواہش رکھے اور دوسری طرف ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف بھی کرے۔

دوسرا نکتہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ نازل فرمایا ہے کہ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا یعنی دنیا میں امن تبھی برباد ہوتا ہے جب انسان فطرتی مذہب کو چھوڑ کر رسم و رواج کے پیچھے چل پڑتا ہے اگر انسان طبعی اور فطرتی باتوں پر قائم رہے تو کبھی لڑائیاں اور جھگڑے نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ جو دینِ فطرت ہو گا وہی دنیا میں امن قائم کر سکے گا اور وہی مذہب امن پھیلا سکے گا جس کا ایک ایک ٹکڑہ انسان کے دماغ میں ہو۔ آخر یہ ہو کس طرح سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اُس تعلیم کی طرف بلائے جس کا جواب ہماری فطرت میں نہیں اور جس کی قبولیت کا مادہ پہلے سے خدا نے ہمارے دماغ اور ہمارے ذہن میں نہیں رکھا۔

پس فرمایا مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا تم کہہ دو کہ تم ان تعلیموں کے پیچھے چل رہے ہو جو فطرت کے خلاف ہیں اور مَیں تم کو ان باتوں کی طرف بلاتا ہوں جو تمہاری فطرت میں داخل ہیں اب جوں جوں انسان اپنی فطرت کو پڑھنے کی

کوشش کرے گا اُس کا دل پکار اُٹھے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو کتاب ہے وہ بالکل سچی ہے کیونکہ اِس کا دوسرا نسخہ میرے ذہن میں بھی ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ دنیا ایک مرکز پر آجائے گی اور ایک ہی خیال پر متحد ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں امن قائم ہو جائے گا۔

اب ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدرّسِ امن ہیں، بے شک آپ نے امن کا مدرسہ دنیا میں جاری کر دیا، بے شک امن کا کورس خدا نے مقرر کر دیا، بے شک اسلام نے تعلیم وہ دی ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور جسے دیکھ کر انسانی فطرت پُکار اُٹھتی ہے کہ واقعہ میں یہ صحیح تعلیم ہے مگر کیا لڑائی بالکل ہی بُری چیز ہے؟ قرآن کریم اِس کا بھی جواب دیتا اور فرماتا ہے کہ امن کے قیام کے لئے بعض دفعہ جنگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرۃ:252)

کہ بے شک امن ایک قیمتی چیز ہے، بے شک اِس کی تعلیم خدا نے انسانی دماغ میں رکھی ہے مگر کبھی انسان کا دماغ فطرت سے اتنا بعید ہو جاتا ہے اور انسانی عقیدے مرکز سے اتنے پرے ہٹ جاتے ہیں کہ وہ امن سے بالکل دور جا پڑتے ہیں اور نہ صرف امن سے دور جا پڑتے ہیں بلکہ حُریّتِ ضمیر کو بھی باطل کرنا چاہتے ہیں۔

فرماتا ہے ایسی حالت میں امن کے قیام اور اس کو وسعت دینے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ جو شرارتی ہیں ان کا مقابلہ کیا جائے۔

پس وہ جنگ امن مٹانے کیلئے نہیں بلکہ امن قائم کرنے کیلئے ہوگی۔ جیسے اگر انسان کے جسم کا کوئی عضو سَڑ، گل جائے تو فیس خرچ کر کے بھی انسان ڈاکٹر سے کہتا ہے کہ اس عضو کو کاٹ دو۔ اسی طرح کبھی ایسے گروہ دنیا میں پیدا ہو جاتے ہیں جو سرطان اور کینسر کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور ضروری ہوتا ہے کہ ان کا آپریشن کیا جائے تا وہ باقی حصّہ ٔقوم کو بھی گندہ اور ناپاک نہ کر دیں۔

پس فرمایا لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر بعض کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بعض کی شرارتوں کو دُور نہ کرتا تو لَفَسَدَت بجائے امن قائم ہونے کے فساد بڑھ جاتا۔ جس طرح سپاہیوں کو بعض دفعہ لاٹھی چارج کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ ہم بھی اپنے بندوں کو اجازت دیتے اور انہیں کہتے ہیں جاؤ اور لاٹھی چارج کرو اِس لئے کہ لَفَسَدَت اگر لاٹھی چارج نہ کیا جاتا تو ساری دنیا کا امن برباد ہو جاتا۔ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:252) یعنی اللہ صرف

ایک قوم کو ہی امن نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ ساری دنیا کو باامن دیکھنے کا خواہشمند ہے اور چونکہ ان لوگوں سے دنیا کا امن برباد ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کا مقابلہ کیا جائے تا ساری دنیا میں امن قائم ہو۔

بے شک اس کے نتیجہ میں خود ان لوگوں کا امن مٹ جائے گا مگر دنیا میں ہمیشہ موازنہ کیا جاتا ہے جب ایک بڑا فائدہ چھوٹے فائدے سے ٹکرا جائے تو اُس وقت بڑے فائدہ کو لے لیا جاتا ہے اور چھوٹے فائدہ کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کثیر دنیا کے امن کی خاطر ایک قلیل گروہ سے جنگ کی جاتی ہے اور اُس وقت تک اُسے نہیں چھوڑا جاتا جب تک وہ خلافِ امن حرکات سے باز نہ آجائے۔

یہ ایک مختصر ساڈھانچہ اُس تعلیم کا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ امن کے سلسلہ میں دی۔ میں نے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح دنیا میں امن قائم کیا اور کس طرح بدامنی کے اسباب کا آپ نے قلع قمع کیا۔ پس آپ کا وجود دنیا کا سب سے بڑا محُسن ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (الاحزاب:57) آپ (ﷺ) پر درود بھیجیں اور کہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ۔ ‘‘

(ریویو آف ریلیجنز قادیان۔ جون 1939ء صفحہ 3 تا 19)

(از ’’آنحضرت ﷺ اور امن عالم‘‘ انوار العلوم مجموعہ تصانیف سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود رضی اللہ عنہ جلد 15 صفحہ 193 تا 204)

تبرکات

ہستی باری تعالیٰ

(حضرت سیّد محمد اسحٰق صاحبؓ)

حضرت سیّد محمد اسحٰق صاحبؓ نے مبلغین اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے سامنے موٴرخہ 24 جنوری 1915ء کو مسجد اقصیٰ قادیان میں حضرت خلیفة المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ’’ہستی باری تعالیٰ‘‘ کے متعلق ایک لیکچر دیا تھا۔ جس میں اوّل تو وہ ذرائع بتائے جن سے ہم کوئی بات ثابت کرسکتے ہیں۔ پھر ان اعتراضوں کا جواب دیا تھا جو کہ عام طور پر ہستی باری تعالیٰ پر کئے جاتے ہیں۔ پھر بعد میں خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں چودہ دلائل پیش کئے تھے۔ اس لیکچر کے نوٹس الفضل قادیان میں شائع ہوئے۔ جو ہدیہٴ قارئین ہیں۔

حضرت سیّد محمد اسحاق صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

’’دہریوں کی طرف سے ہمیشہ یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اگر خدا ہے تو ہمیں دکھادو اور یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جو ہر ایک دہریہ سے سنا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ دہریوں کا یہ مطالبہ بالکل ناواجب ہے کیونکہ ہر چیز کے ثبوت کے لئے صرف دیکھنا ہی معیار نہیں بلکہ بہت سی چیزیں اگر دیکھ کر معلوم ہوتی ہیں تو بہت سی ایسی بھی ہیں جو دیکھنے سے ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ چکھنے سے جیسے کڑوی، میٹھی، کسیلی، پھیکی، نمکین ایسی تمام چیزیں دیکھنے میں یکساں ہیں اور آنکھ ان میں کوئی تمیز نہیں کرسکتی۔ لیکن ان چیزوں میں امتیاز صرف چکھنے سے ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایک دہریہ کے سامنے دعویٰ کرے کہ کڑوا بادام دنیا میں کوئی نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی ہے تو مجھے اس کی کڑواہٹ دکھاؤ۔ اس کے جواب میں وہ دہریہ ایسے شخص کو کہے گا۔ بادام کا کڑوا اور میٹھا ہونا آنکھ سے نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ تو قوت ذائقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ بس یہی

جواب ہم اس دہریہ کو دیں گے جو کہتا ہے کہ میں خدا کو تب مانوں گا جب وہ ان آنکھوں سے نظر آ جاوے۔ ہم اسے کہیں گے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ ہر چیز صرف آنکھ ہی کے دیکھنے سے ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ کوئی چیز دیکھنے سے، کوئی چکھنے سے، کوئی سونگھنے سے اسی طرح خوش آواز اور بد آواز کانوں سے معلوم ہوتی ہے۔ گرمی، سردی، سختی، نرمی چھونے سے غرض کسی چیز کے ماننے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیں نظر ہی آ جاوے۔ جیسے کسی چیز کا کڑوا ہونا آنکھ سے معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں اس کے لئے قوت ذائقہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کسی چیز کا گرم سرد ہونا بھی آنکھ سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے قوت لامسہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ خدا باوجود اس کے کہ وہ آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ پھر موجود ہو۔ جیسا کہ خوشبو اور بدبو اور گرمی اور سردی یہ سب چیزیں دنیا میں موجود ہیں اور پھر ان آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ اس لئے دہریوں کا یہ مطالبہ کہ خدا دکھاؤ ایک بیہودہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ مختلف چیزوں کے ثبوت کے لئے مختلف ذریعے ہیں۔ کسی چیز کے ثبوت کے لئے آنکھ کی ضرورت ہے اور کسی چیز کے معلوم کرنے کے لئے سونگھنے کی ضرورت ہے اور کوئی چیز چھونے سے ثابت ہوتی ہے۔

دوسرا ذریعہ:

یہ تو حواس خمسہ ہوئے۔ اب اس کے آگے چلو۔ دیکھو بعض ایسی چیزیں ہیں جو حواس خمسہ میں سے کسی ایک حواس سے بھی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ ان کے معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہے۔ مثلاً محبت، غضب، عقل، فہم قوت وغیرہ یہ سب چیزیں حواس خمسہ کے ذریعہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ مثال کے طور پر عقل کو لو۔ نہ تو یہ آنکھ سے نظر آتی ہے نہ سونگھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے اور نہ یہ کوئی آواز ہے جو کانوں سے سنائی دے اور نہ کوئی ایسا جسم ہے جسے چھو کر معلوم کیا جاوے اور نہ اسے زبان ہی سے چکھ سکتے ہیں۔ بلکہ اسے ہم اس کے نتائج اور اثرات سے معلوم کرتے ہیں۔ مثلاً ہم زید کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کام بڑی عمدگی سے کرتا ہے اور اُدھر بکر بھی وہ کام کرتا ہے لیکن بہت بُری طرح۔ تو ہم کو زید کے کام اور بکر کے کام پر موازنہ کرنے سے یہ پتہ لگا کہ زید کے دماغ میں کوئی ایسی قوت ہے جس کے ذریعہ زید نے اپنے کام کو عمدگی سے ادا کیا اور بکر کے دماغ میں وہ قوت نہیں جس کے نہ ہونے کی وجہ سے اس سے وہ کام اچھی طرح نہ ہو سکا۔ پھر ہم نے کہا کہ دوسروں کو سمجھانے کے لئے اس قوت کا کوئی نام تجویز کرو اور اس طرح ہم نے اس قوت کا نام عقل رکھا۔ اب دیکھو کہ یہ معلوم کرنا کہ فلاں شخص عقلمند ہے اور فلاں شخص بیوقوف نہ تو آنکھ سے معلوم ہوتا ہے نہ چکھنے سے اور نہ حواس خمسہ میں سے کسی حواس سے بلکہ اس کے معلوم کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ ہم عقل کے اثرات اور اس کے نتائج سے معلوم کریں گے۔ جب ہم دیکھیں گے۔ ایک شخص مشکل سے مشکل کام کر سکتا ہے اور پیچیدہ سے پیچیدہ امور کو سلجھا سکتا ہے تو ہم کہہ

دیں گے کہ اس میں عقل ہے۔ کیونکہ مشکل کام کرنا اور پیچیدہ امور کو سلجھانا یہ عقل کا نتیجہ ہے۔ پس جب ہم نے نتیجہ کا مشاہدہ کیا تو ہمیں اصل چیز کا بھی پتہ لگ گیا۔

اسی طرح ہم ایک دہریہ کو کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتی تو کوئی حرج نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر چیز حواس خمسہ سے ہی معلوم ہو۔ بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو حواس خمسہ سے تو معلوم نہیں ہوتیں بلکہ اپنے اثرات اور نتائج سے۔ اور انہیں تم بھی مانتے ہو۔ مثلاً عقل کا وجود اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت اس کے افعال کے نتائج اور اثرات سے ہم پیش کریں تو بجا ہے اور پھر کسی دہریہ کو اس کے ماننے میں پس و پیش نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ وہ پھر یہ ضد کر سکتا ہے کہ چونکہ خدا کی ہستی مجھے حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتی اس لئے میں اس کی ہستی تسلیم نہیں کرتا کیونکہ خود دہریئے ایسی چیزوں کا وجود تسلیم کرتے ہیں جنہیں وہ حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم نہیں کرتے بلکہ کسی اور ذریعہ سے اس کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ جیسے عقل و فہم دیکھو عقل کے وجود کو دہریئے بھی مانتے ہیں۔ اسی لئے کسی کو عقلمند اور کسی کو بیوقوف کہتے ہیں۔ حالانکہ حواس خمسہ کے ذریعہ انہیں عقل کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

اسی طرح انسان کے جسم میں جو روح ہے وہ ایک ایسی چیز ہے جس کے وجود کا وہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ایسی چیز ہے جو سونگھنے، چھونے، دیکھنے میں نہیں آتی۔ اور نہ حواس خمسہ میں سے کسی حواس ہی سے اسے ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ ہاں اس کے نتائج اور اثرات کو دیکھ کر ہم اس کے وجود کے قائل ہوتے ہیں۔ مثلاً جب ہم ایک زندہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ چلتا ہے پھرتا ہے ہنستا ہے روتا ہے سنتا ہے بولتا ہے۔ ادھر ایک مُردہ پڑا ہے۔ وہ نہ چلتا پھرتا ہے نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے اور نہ سن سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔ اس فرق کو دیکھ کر ہم نے معلوم کیا کہ اس زندہ میں ایک ایسی چیز ہے جو بولنے سننے، ہنسنے رونے، چلنے پھرنے کا موجب ہے اور اس مُردہ میں وہ چیز نہیں۔ تب ہی وہ نہ روتا ہے نہ ہنستا ہے اور نہ زندوں کے سے اور ہی کام کر سکتا ہے۔ پھر ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس کا نام روح تجویز کیا۔ دیکھو روح ایک ایسی چیز ہے جس کو دہریئے بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ حواس خمسہ سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اپنے نتائج اور اثرات سے۔ اس لئے ہم ایک دہریہ کو کہیں گے کہ تمہارا خدا کو دیکھنے کا مطالبہ ایک غلط مطالبہ ہے کیونکہ کسی چیز کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دیکھی جاوے یا حواس خمسہ کے ذریعہ محسوس کی جاوے۔ بلکہ کبھی ایک چیز کا ثبوت اس کے فعل کے نتائج اور اثرات سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ روح کا وجود نہ دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے اور نہ حواس خمسہ کے ذریعہ بلکہ اپنے اثرات اور نتائج کی وجہ سے۔ اسی طرح اگر ہم ہستی باری تعالیٰ کے افعال اور صفات کے اثرات سے اس کا وجود ثابت کریں تو تمہیں مان لینے میں مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ تم خود بہت سی ایسی چیزیں مانتے ہو جنہیں تم نے دیکھنے یا حواس خمسہ کے ذریعہ تسلیم

نہیں کیا۔ بلکہ صرف ان کے اثرات اور نتائج سے جیسے زمانہ، روح، قوت، عقل، فہم، محبت، غضب وغیرہ وغیرہ۔

تیسرا ذریعہ:

پھر اس کے بعد کسی شیئ کے ثبوت کے لئے ایک تیسرا ذریعہ ہے اور وہ سماع یا دوسرے لفظوں میں صادقوں کی شہادت ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں اور بہت سے ایسے واقعات ہیں جو ہمیں نہ حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اور نہ اپنے اثرات اور نتائج سے بلکہ صرف لوگوں کی شہادت سے۔ دیکھو اورنگ زیب کو نہ تو ہم نے دیکھا نہ ہمارے حواس خمسہ نے اُسے محسوس کیا اور نہ وہ اپنے اثرات سے ثابت ہوتا ہے بلکہ صرف سماعی شہادت ہے جو نسلاً در نسلاً دیتے آئے اور اس کے وجود کا اقرار اس کے زمانہ سے لے کر اب تک ہر قوم کے ایسے راستباز کرتے چلے آئے ہیں جن کے متعلق ہمارا وہم بھی یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور کسی بات کے معلوم کرنے کا یہ ایک ایسا زبردست ذریعہ ہے کہ اس کو ایک دہریہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کیا کوئی ایسا دہریہ ہے جو اورنگ زیب یا اکبر کے وجود کا منکر ہو ہرگز نہیں۔ بلکہ سب کے سب مقر ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ راستبازوں کی شہادت پر مجبوراً انسان کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے ورنہ علم تاریخ سب کا سب باطل ہو جاوے گا۔

اچھا پُرانے واقعات کو جانے دو اب جو بڑی عظیم الشان جنگ ہو رہی ہے اور فرانس ایک بڑے معرکہ کا مقام بن رہا ہے لاکھوں کروڑوں ہندوستانی اس مقام سے ہزاروں میل دور ہیں اور انہوں نے جنگ کا نظارہ نہیں دیکھا۔ توپیں چلتی ہوئی نہیں دیکھیں، نہ بندوقیں دنتی ہوئی ان کو سنائی دیں۔ لیکن تب بھی سب کو اس جنگ کے وجود کا یقین ہے۔ ان کے علاوہ جس قدر دہریئے ہیں وہ بھی یقین کرتے ہیں کہ فرانس میں جنگ ہو رہی ہے۔ حالانکہ ان کے اصولوں کے مطابق انہیں منکر ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے جنگ کا نظارہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ مگر کوئی ایک دہریہ بھی اس جنگ کے وجود کا منکر نہیں اور اسی لئے کہ سچ بولنے والوں نے شہادت دی کہ واقعہ میں فرانس میں ایک جنگ ہو رہی ہے۔

اسی طرح ہم دہریوں کو کہتے ہیں کہ اگر ہر قوم کے صادق اور راستبازوں کی شہادت خدا کے وجود کے متعلق ہم پیش کریں تو تمہیں اس ہستی کے اقرار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ جس طرح تم تھوڑے سے راستبازوں کی شہادت پر بڑے بڑے واقعات کا اقرار کرتے ہو اسی طرح اگر دنیا کی ہر قوم کے بڑے بڑے صادق اور راستباز جنہوں نے راستبازی کی خاطر اپنا وطن، جان و مال، عزت کی بھی پرواہ نہ کی۔ خدا کے وجود کی شہادت دیں کہ وہ ہے اور اس نے اپنا وجود ہم پر ظاہر کیا ہم سے باتیں کیں، ہمیں بشارتیں دیں جو پوری ہوئیں۔ ہمارے دشمنوں کے متعلق تباہی و بربادی کی پیش از وقت خبر دی جو عین وقت پر پوری ہوئی۔ تو کیا وجہ ہے کہ ایسی زبردست شہادت کا دہریئے انکار کرتے ہیں حالانکہ اگر ایک دہریہ جج ہو اور

اس کی عدالت میں قتل کا مقدمہ در پیش ہو اور دو صادق راستباز حلفی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے زید نے بکر کو قتل کیا ہے تو یقیناً وہ دہریہ جج زید کو پھانسی کی سزا دے گا۔ حالانکہ دہریوں کے اصول کے مطابق خود اس جج نے تو قتل کا وقوعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ لیکن پھر بھی اُسے ضرور پھانسی کی سزا دے گا۔ یہ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ دنیا کا تمام کاروبار صادقوں اور راستبازوں کی شہادت پر چل رہا ہے۔

غرض مذکورہ بالا تین ایسے اصول ہیں جن سے ہم کسی چیز کے وجود کو ثابت کر سکتے ہیں۔

اوّل۔ حواس خمسہ

دوم۔ اشیاء کے خواص اور افعال کے نتائج اور اثرات

سوم۔ سماع یعنی راستبازوں اور صادقوں کی شہادت... ...

(الفضل قادیان دارالامان۔ جلد 2 نمبر 97، مورخہ 28 جنوری 1915ء صفحہ 4،5)

..... اس کے بعد میں وہ اعتراض لکھتا ہوں جو ہستی باری تعالیٰ کے عقیدہ پر عام طور پر دہریوں کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے جوابات بھی ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

اعتراض اوّل:

چونکہ خدا نظر نہیں آتا اس لئے معلوم ہوا کہ اس کا وجود وہم ہی وہم ہے۔ ورنہ اگر واقعہ میں کوئی وجود ہوتا تو ہمیں نظر آتا۔

جواب نمبر 1: دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں اور پھر بھی وہ موجود ہیں۔ جیسے ہوا، روح اور زمانہ اور دہریہ بھی ان چیزوں کے وجود کے مُقِر (معترف) ہیں۔

جواب (نمبر) 2: اگر خدا لوگوں کو نظر بھی آیا کرتا تب بھی اس کو ہر شخص تسلیم نہ کرتا۔ مثلاً جو لوگ آنکھوں سے بے بہرہ ہیں اور اندھے ہیں وہ کس طرح خدا کو مانتے؟ ہم دہریوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے مقرر کردہ معیار کے مطابق خدا ان ظاہری آنکھوں سے لوگوں کو نظر آیا کرتا۔ تو جو اندھے ہیں وہ نہ دیکھ سکتے اور اس پر وہ تم سے سوال کرتے کہ چونکہ ہمیں خدا نظر نہیں آتا اس لئے اسے نہیں مانتے تو بتاؤ تم ان اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ یقیناً تم انہیں یہی کہتے کہ گو خدا تمہیں نظر نہیں آتا لیکن وہ ضرور موجود ہے کیونکہ ہم خدا کے افعال اور ان کے نتائج سے اس کا وجود ثابت کرتے ہیں۔ پس یہی جواب ہم دہریوں کو دیتے ہیں کہ تمہیں وہ نظر نہیں آتا لیکن تب بھی وہ موجود ہے اس کے افعال اور ان کے نتائج سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے غرض کہ اگر دہریوں کے اصول کے مطابق خدا ان ظاہری آنکھوں سے نظر بھی آیا کرتا

تب بھی سب مخلوق اسے تسلیم نہ کرتی کیونکہ اندھے نابینا اور موتیا بند والے اور طرح طرح کے امراض چشم میں گرفتار اسے دیکھ نہ سکتے؟ اس لئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر نہیں جس سے ساری دنیا کی تشفی ہو سکتی ؟

جواب (نمبر) 3: اگر وہ ان آنکھوں سے نظر آ جاوے اور سب لوگ اس جاہ و جلال والی ہستی کا مشاہدہ کر لیں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جاوے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہو جاویں۔

ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے کیونکہ سمتیں اور جگہیں تو اس کی مخلوق ہیں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کر لے۔ سو چونکہ خدا سمتوں کا یہی خالق ہے۔ اس لئے وہ سمتوں سے بھی پاک ہے اور جب وہ سمتوں سے پاک ہوا تو آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی۔ کیونکہ آنکھ تو اسے ہی دیکھ سکتی ہے جو کسی خاص سمت میں ہو۔ علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا اور محدود ہونا ایک نقص ہے اور خدا نقصوں سے پاک ہے اس لئے بھی ناممکن ہے کہ وہ ان آنکھوں سے نظر آوے۔ سچ ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ (الانعام: 104)

اعتراض دوم:

اگر خدا کا کوئی وجود ہے اور واقعہ میں ایک ایسی ہستی ہے جو ہماری خالق اور رازق ہے اور اسی نے نبیوں کو الہام سے اپنے قوانین اور شریعتوں سے اطلاع دی تو چاہئے تھا کہ مذاہب میں اختلاف نہ ہوتا۔ بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ ان کا اُتارنے والا ایک مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ مذاہب میں بجائے اتفاق کے اختلاف ہے اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے۔ اور خدا کا واقعہ میں کوئی وجود نہیں۔

جواب: مذاہب میں اختلاف ہونے کی وجہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا بھیجنے والا کوئی نہیں کیونکہ مذہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخے کے ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ تو ایک ہی ہے لیکن چونکہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں اس لئے ان کے لئے نسخے بھی مختلف تجویز کئے گئے۔ مثلاً بنی اسرائیل ایک وقت فرعون اور اس کی قوم کی حکومت کے ماتحت ان کے ظلموں کی وجہ سے ایسے بے غیرت ہو گئے تھے کہ ان میں غیرت اور خودداری اور عزت کا نام بھی باقی نہیں رہا تھا اور کسی سے ظلم کا بدلہ لینے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ اس وقت خدا نے ایک نسخہ بھیجا اس میں درج تھا کہ تم ہر شرارت کا انتقام لو۔ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، آنکھ کے بدلے آنکھ غرض اس طرح پُرزور تحریکوں سے ان میں جوش انتقام پیدا کیا۔ پھر جب 14 سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت عیسیٰؑ کا وقت آیا اس وقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز ہو گئے تھے اس لئے ان کے لئے

جو نسخہ آیا اس میں درج تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کر دے۔ اس کے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے اور وہ زمانہ آگیا کہ دنیا کے لوگ دور دراز ملکوں سے آکر آپس میں ملنے لگے تب ایک مکمل نسخہ آیا جس کی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ اس میں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے کہا کہ انتقام کے موقع پر انتقام لو اور جہاں عفو کا موقع ہو وہاں عفو سے کام لو۔

غرض مذاہب میں اختلاف سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے۔ تبھی طبیب نے مختلف مریضوں کے لئے مختلف نسخے تجویز کئے۔ ایک طبیب کے پاس ایک ایسا شخص آئے جسے قبض کی شکایت ہو گی تو وہ طبیب نسخہ میں وہ دوائیاں تجویز کرے گا کہ جو قبض کشا ہوں۔ اس کے بعد جب اسہال کا مریض آوے گا تب وہی طبیب نسخہ میں ایسی دوائیاں تجویز کرے گا جو قبض پیدا کرنے والی ہوں گی۔ کیا ان دو مختلف نسخوں کو دیکھ کر کوئی دہریہ یہ کہے گا کہ ان کا لکھنے والا ایک نہیں ہو سکتا۔ ہر گز نہیں بلکہ وہ کہے گا کہ لکھنے والا تو ایک ہی ہے لیکن مریض دو ہیں۔ اس طرح ہم بھی کہتے ہیں بھیجنے والا ایک ہی ہے لیکن نسخوں میں اختلاف اس لئے ہے کہ قوموں کی حالتیں مختلف ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جاوے اور چھان بین کی جاوے تو دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں اصل میں وہ سب آپس میں متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنے والوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ بھی توحید لے کر آئے اور حضرت عیسیٰؑ بھی خدا منوانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ یہ صرف پولوس کی مہربانی تھی کہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیت کا عقیدہ گھڑا۔ ورنہ نص انجیل سے یہ باتیں ثابت نہیں ہوتیں۔ ان کے بعد اسلام آیا۔ وہ دونوں مذہبوں کا مصداق بن کر آیا۔ غرض تمام مذہب آپس میں متفق ہیں اور اصول کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آتا ہے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے۔

اعتراض سوم:

اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا کہ کوئی غریب ہے اور کوئی امیر۔ کوئی مریض ہے اور کوئی تندرست۔ کوئی کمزور اور کوئی طاقتور؟

جواب (نمبر) 1: یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے ہندوستان کا کوئی حاکم نہیں کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی لیفٹیننٹ گورنر اور کوئی گورنر۔ کیا یہ استدلال کسی صحیح العقل انسان کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔

جواب(نمبر) 2: اصل میں تفرقہ کے بانی چند آدمی ہی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورج چاند، ہوا، پانی وغیرہ تمام چیزیں جن پر زندگی کا مدار ہے سب کو یکساں طور پر دی ہیں اور پھر ترقی کرنے کے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کرتا ہے وہ ترقی کر جاتا ہے دوسرا شخص غفلت سے کام لیتا ہے وہ ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور اس طور پر ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہوئے ہیں اور عام اجازت دی ہوئی ہے کہ جو شخص چاہے وہ ان میں داخل ہو جائے۔ اب ایک شخص اپنے بیٹے کو مدرسہ میں داخل کراتا ہے اور تعلیم وغیرہ کی نگرانی کرتا ہے۔ اس بات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا لڑکا ایک مدت مقررہ کے بعد ایم۔ اے ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک دوسرا شخص باوجود گورنمنٹ کے اعلان کے سستی کرتا ہے اور اپنے لڑکے کو سکول میں داخل نہیں کراتا اور آوارہ پھرنے دیتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ اس کے پڑھنے کی عمر گزر جائے گی اور وہ ایم۔ اے نہ ہو سکے گا۔ اب ان دونوں شخصوں کی حالتوں میں تفرقہ ہے لیکن اس تفرقہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ کا کوئی قصور ہے۔ بلکہ سراسر قصور اس دوسرے غفلت کرنے والے شخص کا ہے۔ اسی طرح اگر دنیا میں لوگوں کی حالتوں میں تفرقہ ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ کوئی ایک خالق نہیں یا یہ کہ وہ بخیل اور ظالم ہے بلکہ اس تفرقہ کے ذمہ وار سراسر انسان ہیں۔

جواب(نمبر) 3: دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک افسر کے ماتحت مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ پھر کچھ ان میں سے اعلیٰ، کچھ ادنیٰ، پھر کوئی کسی کام پر اور کوئی کسی کام پر۔ اگر ایک باورچی خانہ کا داروغہ ہے تو دوسرا باغ کا مالی۔ اسی طرح اس کے اصطبل میں مختلف جانور ہوں گے۔ ایک دس ہزار کا گھوڑا تو ایک دس بیس روپیہ کا گھاس لادنے والا گدھا۔ لیکن باوجود ان مختلف حیثیتوں کے اور باوجود ایسے بیّن تفرقہ کے پھر ان کا مالک ایک ہی ہے۔ اسی طرح اگر مخلوقات میں تفرقہ ہو تو خالق اور مالک کے ایک ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ پھر دیکھو ایک ہی درخت ہے اس میں مختلف چیزیں ہیں۔ پتے ہیں، پھول ہیں، پھل ہیں، شاخیں ہیں، ڈالیاں ہیں، لکڑی ہے، لیکن باوجود ان تفرقوں کے وہ درخت ایک ہی ہے۔

اعتراض چہارم:

جو لوگ خدا کے وجود کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے لوگ جو خدا کے وجود کے منکر ہیں وہ نسبتاً بہت سے ایسے لوگوں کے جو خدا کی ہستی کے قائل ہیں زیادہ نیک ہیں۔ اگر خدا ہے تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے۔

جواب(نمبر) 1: اگر نافرمانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا نہیں ہے تو یہ تو ایسی بات ہوئی جیسے کوئی شخص کہے کہ چونکہ ہندوستان میں بہت سے لوگ چوری کرتے اور ڈاکے مارتے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کوئی حاکم نہیں ہے یا یہ کہ

چوری کرنے والے لوگوں کے نزدیک ہند میں کوئی حاکم نہیں حالانکہ یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ دنیا میں چوری کرنے والے چوری کرتے ہیں اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں شخص ہمارا حاکم ہے اور فلاں شخص اس ملک کا بادشاہ ہے لیکن پھر حرص طمع کی وجہ سے وہ چوری کرتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ گناہ کرتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خدا کی ہستی نہیں۔

جواب(نمبر) 2: یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لا کر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ منہ سے کہنا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں یہ اور بات ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ میں ان کے دل میں بھی ایمان ہے اس لئے اگر ایسا شخص جو منہ سے کہتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں اور پھر وہ صریحاً نافرمانی کرتا ہے تو واقعہ میں اس کے دل میں حقیقی اور کامل ایمان نہیں بلکہ اس کے ایمان میں ضعف ہے۔

جواب(نمبر) 3: یہ کہنا کہ بہت سے دہریہ نیک ہیں حالانکہ وہ خدا کو نہیں مانتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کوئی نہیں ایک بالکل غلط استدلال ہے کیونکہ جس طرح ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے الہام نازل کرتا ہے اسی طرح ہمارا مذہب ہے کہ اس نے بندوں کی فطرت میں ایک حد تک نیکی کا وجود رکھا ہے۔ سو جو دہریئے نیک ہیں وہ بھی خدا کے فضل سے۔ کیونکہ نیکی کا تخم ان کی فطرت میں اس نے اپنے ہاتھ سے بویا۔

جواب(نمبر) 4: یہ کہنا کہ دہریئے بھی نیک ہوتے ہیں ایک غلط بات ہے۔ کیونکہ نیکی کہتے ہیں بادشاہ ملک اور حاکم وقت کے قوانین پر چلنے کو۔ تو جو شخص سرے سے مُقَنِّن اور بادشاہ کا ہی منکر اور اس سے باغی ہو وہ کس طرح نیک کہلا سکتا ہے اور اسے کس طرح قوانین پر چلنے والا کہیں گے۔... ...

اعتراض پنجم:

اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جواب(نمبر) 1: یہ سوال ہی مہمل ہے۔ کیونکہ کب زمانہ کا نام ہے اور کہاں مکان کا اور زمانہ اور مکان تو خود دونوں مخلوق چیزیں ہیں وہ خدا پر حاوی کس طرح ہو سکتی ہیں۔ تو جبکہ مکان اور زمانہ خود حادث ہیں تو ان میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب(نمبر) 2: اسی طرح ہم دہریوں سے پوچھتے ہیں کہ دنیا کب سے ہے اگر وہ کہیں کہ قدیم سے تو ہم کہیں گے کہ خدا بھی قدیم سے۔ اگر وہ کہیں گے کہ دنیا فلاں زمانہ سے ہے تو ہم کہیں گے کہ بس تم نے اقرار کر لیا کہ دنیا قدیم سے نہیں بلکہ حادث ہے تو بتاؤ اس حادث کا محدث کون ہے؟

(اخبار الفضل قادیان دارالامان۔ جلد 2 نمبر 98، مورخہ 31 جنوری 1915ء صفحہ 6,5)

.....اب...وہ دلائل لکھتا ہوں جن سے ہم دہریوں پر خدا کے فضل سے ہستی باری تعالیٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا کر حجت پوری کر سکتے ہیں۔وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

دلیل اوّل:

دنیا میں جس قدر قومیں آباد ہیں خواہ وہ متمدن ہوں یا غیر متمدن، تعلیم یافتہ ہوں یا جاہل، آباد ملکوں میں زندگی بسر کرنے والی ہوں یا ویران جزیروں اور غیر آباد ٹاپوؤں میں۔ ان سب کا متفق علیہ مسئلہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ ایک کامل مقتدر ہستی کا ماننا ہے۔ دنیا میں جس قدر مذاہب رائج ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ سچے ہیں یا جھوٹے ان سب کا اصل اصول اعتقاد اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ ذات باری کا وجود باجود ہے۔ دنیا کے کسی گوشہ میں چلے جاؤ، کرۂ ارض کے کسی قطعہ پر نظر ڈالو، کوئی قوم ایسی نہیں جو اس کامل ہستی کی منکر ہو۔ دنیا کی ایک قوم کی عادتیں دوسری قوم کی عادتوں کے مخالف ہیں۔ ایک کے قوانین دوسری کے قوانین کے مغایر ہیں۔ ایک کا مذاق دوسری کے مذاق کے خلاف ہے لیکن اس عقیدہ میں تمام قومیں متفق ہیں کہ کوئی نہ کوئی ہمارا پیدا کرنے والا اور ہماری ربوبیت کرنے والا ضرور موجود ہے۔ اسی صداقت کو قرآن حکیم بیان فرماتا ہے: وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔(لقمان: 26)یعنی اگر دنیا کے لوگوں سے پوچھو کہ تمہارا پیدا کرنے والا کون ہے تو فوراً بول اُٹھیں گے کہ ہمارا خالق اللہ ہے۔ اس عظیم الشان اتفاق اور ایسے بے نظیر اجماع کی وجہ صرف فطرت کی گواہی ہے۔ کیونکہ ہر ایک انسان کی فطرت اور اس کی سلیم کانشس اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس شہادت کا اقرار کرے۔

چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى۔(الاعراف: 173)یعنی انسان کی فطرت ہر وقت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ایک ایسی ہستی ضرور موجود ہے جو میری ربوبیت کر رہی ہے بلکہ ایک صحیح الفطرت انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کا وہم و گمان نہیں کر سکتا کہ وہ ایک حاکم کے بغیر زندگی بسر کر رہا ہے۔ چنانچہ خالق فطرت کا کلام فرماتا ہے: اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔(ابراھیم: 11)یعنی فطرت صحیحہ حیرانی سے ظاہر کرتی ہے کہ کیا خدا کے وجود میں بھی کوئی شک کر سکتا ہے۔

غرض ہستی باری تعالیٰ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر قومیں ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے وجود کی مُقِر ہیں۔

حالانکہ آپس میں ہر بات میں مختلف ہیں اور نہ ایسے وسائل ہی تھے کہ وہ قومیں آپس میں مل کر تبادلہ خیالات کر کے ایک عقیدہ پر متفق ہو جاتیں۔ سو وہ چونکہ سب اس عقیدہ پر متفق ہیں اس لئے یہ بات دلالت کرتی ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ

عقیدہ ودیعت ہے ورنہ اگر فطرت میں نہ ہوتا بلکہ خارجی محرک اس کا موجب ہوتے تو یہ اتفاق نہ ہوتا۔ کیونکہ نہ وہ قومیں آپس میں ملیں نہ ان کا تبادلہ خیالات ہوا۔ کوئی امریکہ میں ہے اور کوئی افریقہ میں۔ کوئی ہندوستان میں ہے تو کوئی یورپ میں۔ نہ آج کی طرح ریل وتار اور ڈاک خانے تھے۔ اس لئے باوجود ظاہری محرک کے نہ ہونے کے اور آپس کے میل ملاپ کے بغیر ان کا اس عقیدہ پر متفق ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ عقیدہ فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور جب فطرت میں یہ بات ودیعت ہے تو معلوم ہوا کہ خالق فطرت نے رکھا اور اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

دلیل دوم:

بہت سی باتیں ہم صرف سن کر مانتے ہیں مثلاً لندن میں ہم کبھی نہیں گئے۔ لیکن جب لوگوں سے سنا اور قابل اعتبار لوگوں نے ہمارے سامنے اس کے وجود کی شہادت دی تو ہمیں اس کے موجود ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ جن کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں جو ہمارے خیال میں سچ بولنے کے عادی ہیں وہ گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اس شہر کو دیکھا۔ سو جب معمولی دنیاداروں کے کہنے سے ہم لندن کے وجود کے قائل ہو گئے تو کیا وجہ کہ ہم تمام دنیا کے راستبازوں اور صادقوں کی متفقہ شہادت سے انکار کریں اور ان کو جھٹلا دیں اور راستباز بھی وہ راستباز جنہوں نے راستی کی خاطر اپنی جان دے دی لیکن سچ بولنے سے منہ نہ موڑا۔ اپنے مال ومتاع کو اپنی آنکھوں کے سامنے لُٹتے دیکھا لیکن صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ ان کے بیوی بچے اور رشتہ دار ان کی آنکھوں کے سامنے ذبح کئے گئے لیکن ان کا قدم نہ ڈگمگایا۔ وہ سب متفق ہو کر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یقیناً ایک وراء الوراء ہستی موجود ہے اور وہ ہم پر خاص طور پر ظاہر ہوئی اور اس نے ہم سے تعلق پیدا کیا۔ دیکھو قتل جیسے اہم معاملہ میں صرف دو تین قابل اعتبار آدمیوں کی گواہی پر ایک شخص کو پھانسی دے دی جاتی ہے اور صرف چند بھلے مانس آدمیوں کی شہادت پر ایک شخص کو جان سے مار دیا جاتا ہے۔ تو کیوں اُس گواہی کو ردّ کیا جائے جو تمام دنیا کے راستبازوں کی طرف سے ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

دنیا کے ابتداء کی طرف جاؤ۔ ابو البشر آدم صفی اللہ: رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہہ کر خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں، پھر پارسیوں کو لو ان کے نبی بھی خدا کے وجود کی شہادت دے رہے ہیں، پھر وید کے رشیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ ایک وراء الوراء ہستی ہے، پھر یہودیوں اور عیسائیوں کے راستباز بھی اسی پر متفق نظر آتے ہیں، پھر سب کے بعد خیر الانس والجان نے بھی دنیا کے سامنے یہی شہادت پیش کی۔ اب کیا ہم ان تمام راستبازوں کی گواہی کو ردّ کر دیں ہر گز نہیں۔ ہمیں سوائے تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

غرض کہ تمام دنیا کی مختلف قوموں کے راستبازوں کا متفق ہو کر خدا کے وجود کا اقرار کرنا اس کے واقعہ میں موجود

ہونے کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔

تیسری دلیل:

خدا تعالیٰ کی ہستی کی تیسری دلیل دعا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔(البقرۃ: 187)

یعنی جب میرے بندے میری ہستی کی کوئی دلیل تجھ سے پوچھیں تو تُو ان کو کہہ دے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور اس کے پیارے بندے جب مشکلات میں گھِر جاتے ہیں۔ تمام دنیا ان کی دشمن ہو جاتی ہے۔ ظاہری سامان اور اسباب ان کے مخالف ہوتے ہیں اور مصیبتوں سے مخلصی کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ لیکن جب وہ بندہ ایسی حالت میں اپنے مولیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس کے حضور گڑگڑاتا ہے اور اس کے آگے اپنی مصیبتوں کا اظہار کرتا ہے تو معاً حالت بدل جاتی ہے۔ سب دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ان کی سب شرارتیں رک جاتی ہیں۔ تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب بتاؤ کہ اگر کوئی قادر مقتدر ہستی نہیں اور کسی وراء الوریٰ ذات کا وجود موجود نہیں تو ان مصیبتوں میں گھرے ہوئے بندوں کی مصیبتوں کو کس نے دور کیا۔

اگر کہو کہ اسباب نے تو یہ تو غلط ہے۔ کیونکہ ظاہری سامان تو ان کے مخالف ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوحؑ اکیلے ہیں۔ ساری قوم مخالف ہے۔ وہ تکلیفیں دیتی ہے اور کوئی مددگار نہیں۔ نہ آپ کے پاس حکومت ہے جس کے ذریعہ دشمنوں کو روکیں۔ ہر طرف سے مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ایک دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں: اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔(القمر: 11) (یعنی اے میرے رب!) میری مدد کر میں مغلوب ہوں۔ اب بتاؤ کیا یہ دعا قبول نہیں ہوئی؟ کیا ان کی قوم تباہ نہیں ہوئی؟ کیا حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی مصیبتوں سے رہا نہیں ہوئے؟ ضرور ہوئے۔ پھر بتاؤ کہ اگر کوئی قادر مقتدر ہستی نہیں تو حضرت نوحؑ کی کس نے مدد کی؟

پھر حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو دیکھو۔ وہ عرض کرتے ہیں: رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ۔(البقرۃ: 130) یعنی اے میرے خدا! ملک عرب کے رہنے والوں میں ایک نبی مبعوث فرما جو تیری آیتیں ان کے سامنے پڑھے اور کتاب و حکمت انہیں سکھائے۔ لیکن ملک عرب کی حالت کو دیکھو۔ سب گنوار، جاہل، اُجڈ، بات بات پر لڑ مرنے والے، نہایت کندہ تراش ہیں۔ ایک شخص بھی اس قابل نہیں کہ وہ ابراہیمی دعا کا مصداق

بن سکے۔ مگر ابراہیمؑ کی دعا سنی گئی اور دو ہزار برس بعد انہیں نالائقوں میں سے ایک لائق پیدا ہوا اور اُمّی ہو کر سب عالموں سے بڑھ گیا اور ابراہیمؑ کی دعا قبول ہو گئی اور یہ خارق عادت طور پر دعا کا قبول ہونا ہی دلالت کرتا ہے کہ ایک با اقتدار دعاؤں کے سننے اور قبول کرنے والی ہستی موجود ہے۔

پھر حضرت مسیح ناصریؑ کو دیکھو وہ ساری رات دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ اور ادھر یہودی مخالف ہیں۔ عدالت قتل کا فتویٰ دیتی ہے۔ کوئی سامان موجود نہیں۔ مگر صادق راستباز کی دعا ضائع نہیں گئی۔ خدا تعالیٰ نے مسیح کو بچالیا اور صلیب پر لٹکنے کے دو تین گھنٹہ کے بعد آندھی آگئی۔ دوسرے دن سبت تھا۔ پلاطوس کو رحم آگیا اس کی بیوی کے پاس خواب میں مسیحؑ کی سفارش کرنے کیلئے فرشتہ آیا۔ ساتھ کے چوروں کی ہڈیاں توڑ دی جاتی ہیں لیکن مسیحؑ اس مصیبت سے بچ رہتا ہے۔ پھر نیم مُردہ لاش بھی یہودیوں کے ہاتھ نہیں آتی بلکہ ایک خیر خواہ شاگرد کو ملتی ہے اور اس طرح مسیحؑ اس لعنتی موت سے بچ جاتے ہیں اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ بھلا بتاؤ کیا مسیح کی یہ دعا اور اس کی قبولیت خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک دلیل نہیں؟

پھر رسول کریمؐ کے حالات پر غور کرو۔ مدنی زندگی اور صحابہؓ کی قلت، دشمن کی کثرت پر نظر ڈالو۔ دشمن بڑے فخر اور تکبر کے ساتھ ایک بڑی جمعیت اور سامان لے کر چڑھائی کرتا ہے۔ ادھر آپؐ کے پاس نہ جمعیت نہ سامان۔ بدر کے مقام پر دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی فتح کی کوئی سبیل نہیں۔ لیکن رسول کریمؐ ایک بیت الدعا بنا کر اس میں بڑے عجز وانکسار سے خدا کے حضور دعا کرتے ہیں اور ایسی تڑپ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ خونخوار دشمن تباہ ہو جاتا ہے اور وہ بے سر وسامان جماعت فاتح ہو جاتی ہے۔ کیا یہ دعا کا نتیجہ نہیں؟ اگر ہے تو ذرا خیال کرو کہ اگر کوئی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہستی نہیں ہے تو یہ تبدیلیاں کس کے دست تصرف سے ظہور پذیر ہوئیں؟ پھر آج مسیح موعود کا زمانہ لو آپؑ کی دعاؤں کو دیکھو سینکڑوں نہیں ہزاروں دعائیں پوری ہوئیں۔ قریب المرگ بیمار صرف ایک ہی دعا سے از سر نو زندہ ہوئے۔ مصیبتوں، بلاؤں اور مقدموں میں گرفتار لوگ جن کی مخلصی کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تھی محض آپؑ کی دعا سے اپنی تمام مشکلات سے صاف نکل آئے۔ دشمن برباد ہوئے اور دوست شاد۔ پنڈت لیکھرام کا مارا جانا، سگ گزیدہ عبد الکریم کا بچ جانا، طاعون کا پنجاب میں پھوٹنا، آپ کا مقدموں میں فتح پانا۔ کیا یہ قبول شدہ دعاؤں کا نمونہ نہیں اور کیا دعا کی قبولیت خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلالت نہیں کرتی؟ کرتی ہے اور ضرور کرتی ہے۔

چوتھی دلیل:

چوتھی دلیل خدا کی ہستی کی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعویٰ کیا کہ خدا ہے وہ ضرور کامیاب ہوئے اور جن لوگوں

نے انکار کیا وہ خائب و خاسر رہے۔ اگر خدا نہ ہوتا تو یہ تفرقہ کیوں ہوتا۔ یہ بات صرف دعویٰ کے رنگ میں نہیں بلکہ واقعات پر اس کی بناء ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کے سامنے پیش کیا کہ خدا ہے۔ نمرود نے انکار کیا اور ابراہیمؑ کا مقابلہ کیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ابراہیمؑ کامیاب ہوئے اور نمرود ناکام رہا۔ پھر موسیٰؑ کی حالت کا مشاہدہ کرو۔ وہ فرعون جیسے جبار بادشاہ کے پُر ہیبت دربار میں دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ہے۔ مگر فرعون اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔(النازعات: 25) کہہ کر انکار کرتا ہے۔ پھر جو نتیجہ نکلا وہ دنیا جانتی ہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ آیا۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پیش کرنے دنیا میں آئے۔ یہود نے آپ کی تکذیب کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج یہودی دنیا میں تمام قوموں سے ذلیل و خوار ہیں۔ ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں۔ پھر سب کے سردار خیر الرسلؐ کی باری آئی۔ آپؐ نے مکہ والوں کے سامنے خدا کا وجود پیش کیا لیکن بدبختوں نے انکار کیا اور سب کے لیڈر سید الوادی ابو الحکم نے مقابلہ کیا۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ کس طرح تباہ ہوا اور ابوالحکم سے ابوجہل بن گیا۔ پھر مسیح موعودؑ کا دور آیا اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اس نے دنیا کو پکارا۔ لیکن مولویوں نے مخالفت کی اور اہلحدیث کا ایڈووکیٹ ان کا سرگروہ بنا۔ لیکن کیا مخالف کامیاب ہوئے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ناکام رہے اور مسیح موعودؑ کامیاب ہوا۔

غرض تمام وہ صادق راستباز جو خدا کے وجود کا اقرار کرنے والے تھے کامیاب ہوئے۔ اور تمام مخالف ناکام اور یہ بات خدا تعالیٰ کی ہستی کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔ اس دلیل کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس طرح پر بیان فرماتا ہے: وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝(الصافات: 172 تا 174)اور ایک مقام پر فرمایا: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ۔(المجادلہ: 22)

(الفضل قادیان دارالامان۔ جلد 2 نمبر 99، مورخہ 2 فروری 1915ء صفحہ 7،8)

پانچویں دلیل:

پانچویں دلیل ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں قرآن مجید ان لفظوں میں بیان فرماتا ہے: لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔(النمل: 66) یعنی علمِ غیب ایک ایسا علم ہے جو دنیا میں کسی انسان کو معلوم نہیں اور آئندہ ہونے والے واقعات سے روئے زمین پر کوئی شخص واقف نہیں۔ اور واقعہ میں اگر انسان غور کرے تو اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ جو باتیں ابھی ظہور میں نہیں آئیں ان سے کوئی شخص آگاہ نہیں۔ اور انسان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اور پرسوں اس پر کونسی مصیبت پڑنے والی ہے۔ غرض آئندہ کا حال کوئی نہیں جانتا اور مستقبل کے واقعات کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن باوجود اس کے پھر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جن راستبازوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خدا کی طرف سے آنے کے مدعی

ہوئے۔ وہ بعض خبریں قبل از وقت دیتے رہے اور وہ واقعہ کے مطابق پوری بھی ہوتی رہیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ کوئی انسان آئندہ کی خبریں معلوم نہیں کر سکتا۔

تو اب ہم نبیوں کے معاملہ میں غور کرنے سے اس نتیجہ تک پہنچے کہ وہ بھی ہم جیسے انسان تھے۔ وہ بھی آئندہ کے واقعات سے ہماری طرح محض لاعلم تھے لیکن یہ جو غیب کی بہت سی اہم خبریں قبل از وقت وہ دنیا پر ظاہر کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم ہستی ہے۔ اور جو انہیں خاص طور پر ان پیش آنے والے واقعات سے مطلع کرتی رہی ہے۔ اس بات کو قرآن حکیم اس طرح پر بیان فرماتا ہے: فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: 27، 28) یعنی نبیوں اور رسولوں پر جو غیب کی خبریں منکشف ہوتی ہیں یہ ان کی ذاتی خوبی نہیں بلکہ ایک وراء الوریٰ ہستی ہے جو ان کو قبل از وقت واقعات سے مطلع کرتی ہے۔ غرض نبیوں کا پیشگوئیاں شائع کرنا اور بڑے بڑے اہم واقعات کا قبل از وقت بیان کر دینا اور پھر وقت پر ان باتوں کا پورا ہو جانا خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک بڑی زبردست دلیل ہے۔

دیکھو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ ایک پیشگوئی شائع کی جاتی ہے کہ میں تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ٹھیک دو ہزار برس بعد یہ پیشگوئی پوری ہوتی ہے اور اس بات پر مہر لگاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا تعلق یقیناً ایک ایسی ہستی سے تھا جو عالم الغیب ہے۔

پھر حضرت عیسیٰؑ کا فرمانا: مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (الصف: 7) اپنے وقت پر کس وضاحت سے پورا ہوا۔ اور پیشگوئی کے پورا ہونے نے ایک ثبوت قائم کر دیا کہ مسیح ناصری کا ایک وراء الوریٰ وجود سے تعلق تھا اور اسی نے انہیں آئندہ ہونے والے واقعات سے مطلع کیا۔

پھر رسول کریمؐ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا اور آپؐ نے سینکڑوں باتیں قبل از وقت دنیا پر ظاہر کیں اور وہ اپنے وقت پر پوری ہوئیں: الٓمّٓ ﴿۲﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ (الروم: 2، 3) کا ملاحظہ کرو۔

پھر دجال یاجوج ماجوج کی پیشگوئیاں آج ہمارے سامنے پوری ہو رہی ہیں اور دجال کا گدھا تیرہ سو برس کے بعد ہمارے زمانہ میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر کتابوں کا پھیلنا، دریاؤں کا پھاڑا جانا، اونٹوں کا بیکار ہونا، مسیح و مہدی کا آنا، دجال کا قتل ہونا، صلیب کا پاش پاش کیا جانا یہ سب ایسی باتیں ہیں جو ہماری آنکھوں نے دیکھی ہیں اور یہ سب کی سب پکار پکار کر عالم الغیب کی ذات بابرکات کا پتہ دے رہی ہیں۔ پھر اس زمانہ میں ایک صادق منصب نبوت و رسالت پر مبعوث ہو کر صدہا نہاں

درنہاں باتوں سے دنیا کو آگاہ کرتا ہے اور ایسے ایسے عظیم الشان اور عجیب واقعات کی اطلاع دیتا ہے کہ بظاہر وہ ناممکن معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تھوڑا زمانہ گزرنے نہیں پاتا کہ وہ باتیں منصہ شہود پر ظہور میں آجاتی ہیں.....

کیا یہ حیرت انگیز واقعہ اس بات کی دلیل نہیں کہ مسیح موعود کا ایک ایسی ہستی سے تعلق تھا جو علیم و حکیم اور قادر مقتدر ہستی ہے۔

چھٹی دلیل:

ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں چھٹی دلیل اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کے وجود کو پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ۔(المائدۃ: 98)

یعنی دنیا میں بہت سے بادشاہ ہیں۔ بڑے بڑے قلعے بنواتے ہیں اور آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں تیار کرواتے ہیں لیکن ایک وقت کے بعد وہ قلعے ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں وہ عمارتیں ویران ہو جاتی ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں رہتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ بادشاہ اپنے وقت میں بیشک بڑی قوت اور شوکت رکھتے تھے لیکن جب موت نے ان کو اس دنیا سے باہر کر دیا پھر اس کارخانہ میں ان کا کوئی دخل باقی نہ رہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک چھوٹا سا مکان مکہ میں بناتا ہوں وہ ہمیشہ آباد رہے گا اور اس مقام پر کبھی ویرانی دخل نہ پا سکے گی وہ مکان لوگوں کے لئے امن کا موجب ہو گا۔ لوگ دنیا کے کناروں سے قربانیاں گزارنے وہاں آئیں گے اور وہاں پر ہمیشہ حج ہوتا رہے گا اور وہ دینی مرکز بن جاوے گا۔

اب دیکھو اس وعدہ کو تیرہ سو برس ہونے کو آئے اور ہمارے سامنے سینکڑوں قلعے اور عظیم الشان فلک نما عمارتیں زمین کا پیوند ہو گئیں۔ بیسیوں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں اور دنیا پر بڑے بڑے انقلاب آئے مگر مکہ کا وہ معمولی سا مکان اپنی اسی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے۔ لوگوں کے لئے امن کا موجب بنا ہوا ہے۔ دیکھو! آج موجودہ جنگ میں ٹرکی کے ماتحت ہونے کی وجہ سے شام اور عراق اور قسطنطنیہ سخت خطرہ میں ہیں اور وہاں کے لوگ آئندہ آنے والے حوادث سے پریشان ہو رہے ہیں۔ مگر ملک عرب اور مکہ معظمہ ایک ایسا مقام ہے جہاں کے رہنے والوں کو اس جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔ غرض مکہ معظمہ کی یہ خصوصیت اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا وہاں ہر سال دیوانہ وار دوڑتے ہوئے جانا اور بیت اللہ کا یہ اعزاز و احترام اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا بنانے والا غیر فانی ہے۔ اور آگے فرمایا: لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ۔ یعنی بیت اللہ کا وجود جس طرح دلالت کرتا ہے کہ اس کا بانی ازلی ابدی اور قادر مقتدر ہے جو اپنے بنائے ہوئے مکان

کی حفاظت اپنی بے نظیر قدرت سے کرتا ہے اسی طرح وہ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡم بھی ہے۔ غرض خانہ کعبہ کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک برہان ہے۔

(الفضل قادیان دارالامان۔ جلد2 نمبر100، مورخہ 4 فروری1915ء صفحہ 4)

ساتویں دلیل:

ساتویں دلیل اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے منوانے کے لئے قرآن مجید میں یہ بیان فرمائی ہے کہ میں یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہوں اور یہ کتاب کیا بلحاظ فصاحت و بلاغت اور کیا بلحاظ اپنی معنوی خوبیوں کے ایسی بے مثل ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں بنا سکتا اور اگر کسی میں طاقت ہے تو وہ آزما دیکھے۔ پھر زور دے کر فرمایا کہ اگر دنیا کے جن و اِنس اگلے اور پچھلے عالم اور جاہل مل کر بھی اس پایہ کی کتاب بنانا چاہیں تو بھی نہیں بنا سکتے۔ اور یہ بات دلیل ہے اس امر کی کہ یہ کتاب کسی انسان کی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی انسان کی تصنیف ہوتی تو اور بہت سے انسان ایسی تصنیف کر سکتے لیکن جب کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ انسانی فعل نہیں بلکہ کسی وراء الوراء ہستی کا ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ قادر اور علیم و حکیم ہے اور اسی کو دوسرے لفظوں میں مسلمان خدا کہتے ہیں۔ غرض قرآن کا بے مثل ہونا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک بڑا زبردست ثبوت ہے۔

آٹھویں دلیل:

دنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں اصل میں ان کی ذات ہم نہیں دیکھ سکتے بلکہ صفات کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً ہماری آنکھوں کے سامنے ایک درخت ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں تو اس کی ذات کو نہیں دیکھتے بلکہ کچھ صفتوں کو دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً اس کا طول و عرض نظر آتا ہے اور طول و عرض صفات میں سے ہے نہ کہ ذات سے۔ پھر اس کا رنگ دیکھتے ہیں اور وہ صفت ہے نہ کہ ذات۔ پھر ہاتھ لگا کر اس کی سختی نرمی معلوم کرتے ہیں تو وہ بھی ذات نہیں بلکہ صفات ہیں۔ پھر اس کا میوہ کھاتے ہیں تو اس کی ذات نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ مزا محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مزیدار ہونا میوہ کی ایک صفت ہے نہ کہ ذات۔

غرض جمادات، نباتات، حیوانات ان تمام قسموں میں سے ہم جب کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اس کی ذات ہمیں نظر نہیں آتی بلکہ صفات ہی صفات دیکھتے ہیں۔ طول عرض، رنگ، سختی نرمی، مزہ وغیرہ یہی باتیں ہم کو نظر آتی ہیں۔ اس لئے یہ مطالبہ کرنا کہ خدا کی ذات ہمیں دکھا دو ایک بے ہودہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ ذات تو کسی چیز کی بھی نظر نہیں آتی۔ سب چیزوں

کو ان کی صفات کے ذریعہ ہم پہچان سکتے ہیں۔

اسی طرح ہم بھی خدا تعالیٰ کو اس کی صفات دیکھ کر تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں رحمانیت ہو رہی ہے اور بہت سی چیزیں ہمیں بغیر ہماری محنت کے بے مانگے کے مل رہی ہیں۔ مثلاً سورج، چاند، ہوا، پانی وغیرہ یہ سب کچھ نعمتیں ہمیں بے محنت کے ملی ہیں اور اسی کا نام رحمانیت ہے۔ سو جب ہم رحمانیت کی صفت دنیا میں دیکھتے ہیں تو اس کا موصوف بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوتی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ربوبیت ہو رہی ہے۔ دیکھو جب ہم ماں کے پیٹ سے نکلے اس وقت ہمارے لئے دودھ مہیا کیا گیا اور ہم نے ایک دو سال تک بڑے آرام سے زندگی بسر کی۔ پھر جبکہ ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ رہا اور اناج وغیرہ کے کھانے کی ضرورت پڑی تو ہمیں دانت دیئے گئے تاکہ سخت چیزیں ہم چبا سکیں۔ سو جب ہم دنیا میں صفت ربوبیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو اس کے موصوف کا کیوں انکار کریں۔

پھر صفت علیم کو دیکھو اس کا بھی قانون قدرت سے پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جب ایک مقام پر سورج بنایا تو اس بنانے والے کو باقی جگہوں کی بھی اطلاع تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس سورج سے اتنے فاصلہ پر انسانی آنکھ ہے نہ تو سورج کو زیادہ قریب کیا کہ انسان کی آنکھیں چندھیا جاویں اور وہ کچھ دیکھ نہ سکے۔ اور نہ اس قدر دور کہ وہ اندھا ہو جاوے اور کھیتیاں بھی نہ بچیں۔ غرض انسانی آنکھ اور سورج دونوں کے تعلقات سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کا بنانے والا ایک ہے اور سورج بناتے وقت اسے آنکھ کا اور آنکھ بناتے وقت اسے سورج کا علم تھا۔ پھر جب ہمارے کان بنائے۔ تو ادھر خوش آوازی بھی پیدا کی۔ اور جب ذائقہ کی قوت زبان میں ودیعت کی تو میووں اور بہت سے کھانوں کو مزیدار بنایا۔ اسی طرح ناک میں قوت شامہ رکھی۔ تو ادھر بہت سے خوشبودار پھول بھی اس کے لئے پیدا کئے۔ غرض دنیا کی چیزیں آپس میں ایک گہرا تعلق رکھتی ہیں اور یہ بات علم پر دلالت کرتی ہے اور علم بغیر عالم کے نہیں ہوتا کیونکہ کوئی صفت بغیر موصوف کے قائم نہیں ہوتی۔ سو اسی عالم کو ہم اپنی اصطلاح میں خدا کہتے ہیں۔

نویں دلیل:

دنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں سب مرکب ہیں کوئی بھی مفرد نہیں ہوا کو لو وہ بھی مختلف گیسوں سے مرکب ہے۔ پانی بھی مرکب ہے۔ غرض دنیا مرکبات کا مجموعہ ہے۔ ان مرکبات کا کوئی جوڑنے والا اور مرکب کرنے والا تسلیم کرنے پڑے گا اور وہی خدا ہے لیکن اگر کہو کہ یہ خود بخود مرکب ہوئے ہیں اور مرکب ہونا ان کی خاصیت ہے تو ہم

کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مرکب ہونا ان کا خاصہ ہے تو چاہئے کہ جب ہم ان چیزوں کو توڑ دیں تب بھی وہ دوبارہ مرکب ہو جایا کریں۔ کیونکہ بقول تمہارے مرکب ہونا ان کا اپنا خاصہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھو جب ہم ایک درخت سے اس کے پھل پھول، پتے، شاخیں، ڈالیاں، تنے جدا کر دیں تو وہ پھر کبھی نہیں جُڑتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جڑنا اور مرکب ہونا درخت کا اپنا خاصہ نہیں۔ ورنہ توڑنے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جاتا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مرکب ہونا چیزوں کا اپنا خاصہ نہیں تو لا محالہ ایک مرکب کرنے والا ماننا پڑے گا۔ یہ بات گھڑے سے خوب حل ہوتی ہے۔ گھڑا پہلے مٹی تھا لیکن ایک شخص نے اپنے ارادہ سے اس مٹی کو پانی سے مرکب کیا۔ پھر ایک خاص صورت بنائی۔ پھر اُسے آگ میں ڈالا اور تب جا کر وہ گھڑا بنا۔ اب بتاؤ کہ وہ گھڑا خود بخود بنا۔ یا اسے کسی نے بنایا۔

اگر کہو کہ خود بخود بنا تو ہم کہتے ہیں آؤ اسے تھوڑی دیر کے لئے توڑ دیں۔ پھر دیکھیں کہ آیا یہ دوبارہ ویسا بن جاتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھڑے نے موجودہ صورت خود بخود اختیار نہیں کی بلکہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور موجود ہے۔ اسی طرح دنیا کی تمام چیزیں مرکب اور ایک خاص صورت پر ہیں۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود اس ترکیب سے اور اس ہیئت پر ہیں تو یہ تو صریحاً غلط ہے۔ ان کو توڑ کر دیکھ لو۔ دوبارہ کبھی خود بخود نہ بن سکیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ترکیب دینے والا کوئی اور وجود ہے۔

دسویں دلیل:

سورج روشنی دیتا ہے، کھیتیاں پکاتا ہے، ہمیں گرمی پہنچاتا ہے، گندے اجرام ہلاک کرتا ہے۔ چاند رات کی مشعل ہے، میوے پکاتا ہے، مد و جزر پیدا کرتا ہے، پانی ہماری پیاس بجھاتا ہے، ہمارے اور بہت سے کاموں میں کارآمد ہے۔ غرض دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ان کے متعلق تین ہی صورتیں عقل میں آسکتی ہیں۔ یا تو کہا جاوے کہ یہ سب اتفاقی ہوتی ہیں لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اتفاقیہ وہی بات ہوتی ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ لیکن سورج کا چڑھنا اتفاقیہ نہیں۔ ہر روز چڑھتا ہے اور وقت معین پر غروب ہوتا ہے۔ اور جب سے دنیا بنی اور انسانی تاریخ گواہی دیتی ہے یہی ہوتا چلا آیا کہ وقت مقررہ پر سورج نکلا اور وقت مقررہ پر ہی غروب ہوا، گرمی ہو، سردی ہو، برسات ہو، بہار ہو خزاں، ہمیشہ طلوع ہوا اور ہمیں روشنی بخشی، ہماری کھیتیاں پکائیں۔ اسی طرح چاند کا بھی یہی حال ہے، پانی کو لو وہ بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ سورج کا چڑھنا، چاند کا طلوع ہونا، پانی کا پیاس بجھانا اتفاقیہ نہیں کیونکہ اتفاقیہ اسے کہتے ہیں

جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ کیا کبھی وہ لڑکا جو روز مدرسہ میں حاضر ہوتا ہے وہ کبھی کہہ سکتا ہے کہ میں مدرسہ میں اتفاقیہ جایا کرتا ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ باتیں اتفاقیہ نہیں ہوتیں بلکہ سورج چاند پانی اپنے ارادہ اور مرضی سے ایسا کرتے ہوں۔ مثلاً سورج خود مہربانی سے انسانوں پر رحم کرنے کے لئے دن کو نکلتا اور رات کو غروب ہوتا ہو اور ہمارے آرام کے لئے وہ اناج، غلے پکاتا ہو۔ اور چاند بھی اپنی مرضی سے نکلتا اور چھپتا ہو۔ اور پانی بھی جان بوجھ کر اپنی مرضی سے ہماری پیاس بجھاتا ہو۔

سو اس صورت میں چاہئے کہ دہریئے بجائے ایک خدا ماننے کے بہت سے خداؤں کا اقرار کریں۔ سورج کا بھی شکریہ ادا کریں اور اس کی عبادت کریں اور اس کے حضور عرض کریں کہ اے ہمیں روشن کرنے والے! ہمیں اناج اور غلے دینے والے! تو ہم سے خوش رہ اور کبھی ہم سے ناراض نہ ہونا کیونکہ اگر تو ناراض ہوا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ اسی طرح چاند کی بھی پرستش کریں اور پانی کو بھی پوجیں کیونکہ جب یہ چیزیں اپنے ارادہ اور اپنی مرضی سے ایسا کرتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایسا کرنا چھوڑ دیں کیونکہ مختار جو ہوئیں کسی کی قید میں تو وہ نہیں ہیں۔ دیکھو جو شخص ایک کام اپنے ارادہ سے اور اپنی مرضی اور خوشی سے کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ایک وقت میں اُسے چھوڑ دے۔

اس لئے چاہئے کہ دہریہ لوگ سورج چاند اور پانی ہوا وغیرہ کی عبادت کریں، ان کو پوجیں، ان سے دعا وغیرہ کریں۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ایسا کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہو کر ہمیں تباہ کر دیں۔ غرض اگر یہ مانا جاوے کہ سورج اور چاند وغیرہ کے فوائد اور منافع اتفاقیہ نہیں بلکہ وہ اپنی خوشی اور ارادہ سے ایسا کرتے ہیں تو پھر تو بجائے ایک خدا کے بہت سے وجود قابل عبادت ہو گئے۔ چنانچہ اسی لئے بعض قومیں کواکب پرست اور شمس و قمر پرست ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ یہ تمام باتیں اتفاقیہ ہیں اور نہ سورج چاند وغیرہ اپنی مرضی اور خوشی سے چڑھتے اور غروب ہوتے ہیں بلکہ کوئی ان پر حکمران ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں یہ سب چیزیں ہیں۔ جس کے حکم سے چڑھتے اور غروب ہوتے ہیں۔ اس تیسری صورت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ بس اسی متصرف کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اور یہی اس کے وجود کی دلیل ہے۔ غرض دنیا کے کارخانہ اور اس کے نظام کے متعلق تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو کہا جاوے کہ یہ سب کام اتفاقیہ ہیں تو اعتراض ہوتا ہے کہ اتفاقیہ نہیں۔ کیونکہ ایک بے نظیر باقاعدگی پائی جاتی ہے اور اتفاقیہ کام تو وہ ہوتا ہے جو کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہوا، پانی، سورج، چاند سب اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں تو یہ بھی دہریہ نہیں مانتے اور اگر مانیں تو پھر دہریہ نہیں رہتے۔ کیونکہ ایک خدا چھوڑ اُنہیں بہت سے خدا ماننے پڑیں گے اور ان سب چیزوں کی پرستش کرنی پڑے گی اور ان سب کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی مرضی سے کام نہیں کرتیں بلکہ کسی کے حکم سے۔ تو پھر بھی دہریوں کا مذہب باطل ہو گیا کیونکہ اسی حاکم کو ہم خدا کہتے ہیں۔

گیارہویں دلیل:

دنیا کے وجود کے متعلق دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ خود بنی ہے دوسرے یہ کہ اسے کسی نے بنایا ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود بنی ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے اور فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا اور فاعل ہمیشہ اپنے فعل سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ سو اگر اس عدم سے وجود میں آنے کا فاعل خود دنیا ہے تو اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ دنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے بھی موجود تھی۔ کیونکہ خود بخود بن جانا ایک فعل ہے اور دنیا اس کی فاعل۔ اور فاعل فعل سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ اس لئے نتیجہ یہی نکلے گا کہ دنیا اپنے پیدا ہونے سے پہلے بھی موجود تھی حالانکہ یہ بات ایسی بے ہودہ ہے کہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ کوئی چیز اپنے پیدا ہونے اور بننے سے پہلے نہیں ہوتی۔ اس بات کا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ردّ کرتا ہوا فرماتا ہے: اَمۡ ھُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ۔(الطور: 36) خیر یہ بات تو اس طرح بالکل باطل ہوئی۔ اب دوسری بات لو یعنی یہ کہ دنیا خود بخود نہیں بنی بلکہ اس کا بنانے والا کوئی ایک وجود ہے۔ سو یہ بات واقعہ میں درست ہے اور اس بنانے والے کو ہم خدا کہتے ہیں۔

بارہویں دلیل:

دہریوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خود بخود دنیا میں پیدا ہوئے یہ غلط ہے۔ کیونکہ خود بخود پیدا ہونا ایک ترجیح ہے۔ یعنی نیست پر ہست کو ترجیح دی گئی اور ترجیح بلا مرجح ہوتی نہیں۔ ضرور کوئی مرجح ماننا پڑے گا۔ اگر دہریہ کہیں کہ خود مرجح ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اور ہم اپنے عدم سے وجود میں آنے سے پہلے موجود نہ تھے۔ کیونکہ اگر ہم عدم سے وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود ہوتے تو عدم سے وجود میں آنا کیسا۔ غرض ہم مرجح نہیں ہو سکتے اور جب ہم نہ ہوئے تو کوئی اور ہوگا۔ بس اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

(الفضل قادیان دارالامان۔ جلد 2 نمبر 101، مورخہ 7 فروری 1915ء صفحہ 6,5)

تیرھویں دلیل:

دنیا یا تو قدیم ہے یا حادث۔ اگر کہو کہ قدیم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ قدیم وہ چیز ہو سکتی ہے جو کسی اور کی محتاج نہ ہو کیونکہ جس چیز کا قیام دوسروں کے سہارے ہو وہ قدیم کس طرح ہو سکتی ہے۔ ادھر ہم دنیا کی چیزوں کو دیکھتے ہیں کہ سب کی سب محتاج ہیں۔ زمین اناج اگاتی ہے۔ لیکن اس میں بھی وہ پانی کی محتاج ہے۔ اگر پانی نہ برسے تو زمین اکیلی کیا کر سکتی ہے۔ پانی کھیتیوں کو فائدہ دیتا ہے لیکن اکیلا کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ اگر زمین سے خوراک نہ پہنچے تب بھی درخت نہ اُگیں۔ یا اگر سورج گرمی نہ پہنچائے تب بھی اناج پیدا نہ ہو۔ سو پانی بھی مستقل حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سورج گرمی پہنچاتا ہے مگر ہوا کا محتاج ہے۔ اگر ہوا نہ ہو تو اس کی شعاعیں ہم تک نہ پہنچیں۔

غرض دنیا کی ہر چیز محتاج ہے اور کوئی محتاج قدیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ دنیا کی ہر چیز حادث ہے۔ تو جب حادث ہوئی تو کوئی ان کا محدث ہونا چاہئے اور جو ہستی اتنے بڑے عظیم الشان کارخانہ کی محدث ہو وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے اور اسی کو مذہبی اصطلاح میں خدا کہتے ہیں۔

چودھویں دلیل:

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں۔ دیکھو اگر جنگل میں ہم کو ایک صندوق مل جائے۔ گو اس کے بنانے والے کو ہم نے نہیں دیکھا اور نہ وہ صندوق ہمارے سامنے بنایا گیا تب بھی ہم یہی یقین کریں گے کہ ضرور اُسے کسی نہ کسی نے بنایا ہے۔ غرض ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی جب ہمارے سامنے آوے گی تو ہم اسے دیکھتے ہی اپنے دل میں اس خیال کو جگہ دیں گے کہ اسے کسی نے بنایا ہے اور یہ خود بخود نہیں بنی۔ اور اس بات میں ایک دہریہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہے۔ وہ جب کوئی عمارت بنی ہوئی دیکھتا ہے تو اسے بھی یہی یقین ہوتا ہے کہ یہ خود بخود نہیں بنی بلکہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ حالانکہ اس نے اس کے بنانے والے کو نہیں دیکھا ہوتا۔

سو جب ہماری فطرت یہی یقین رکھتی ہے کہ ہر مصنوع کا کوئی نہ کوئی صانع ضرور ہوتا ہے۔ اور ہمارا مشاہدہ بھی یہی کہتا ہے تو پھر دہریوں کا یہ کہنا کہ اتنے بڑے نظام کا کوئی خالق نہیں اور یہ تمام دنیا خود بخود ہے۔ زمین، سورج، چاند وغیرہ آپ ہی آپ ہیں کیسا غلط اور فطرت کے خلاف عقیدہ ہے۔ جب ایک قلم ایک دوات ایک کاغذ بھی بغیر بنانے والے کے نہیں بنتا تو اتنا بڑا انظام اور ایسا پُر حکمت انتظام کس طرح بغیر صانع اور خالق کے قائم ہے۔

اگر یہ کہیں کہ ہم مکانوں اور عمارتوں کو بنتا دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان کو کسی نے بنایا ہو گا لیکن دہریوں کی یہ بات بالکل لغو ہے۔ کیا مصر کے میناروں کے معمار کسی نے دیکھے ہیں۔ ہر گز نہیں۔ لیکن پھر بھی دہریہ تک مانتے ہیں کہ وہ مینار بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں۔

پھر ایک اور بات سنو۔ کیا ایسی ایجاد جو پہلے کسی نے نہ کی ہو وہ ایک دہریہ کو دکھائی جاوے تو کیا دہریہ اقرار کرے گا کہ یہ خود بخود ہے۔ ہر گز نہیں۔ کیا فونوگراف جو دنیا میں پہلے کسی نے نہیں بنایا۔ کیا پہلے پہل جب کوئی دہریہ اسے دیکھتا ہے تو یہی سمجھتا ہے کہ وہ خود بخود ہے۔ ہر گز نہیں۔

غرض یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کوئی چیز بغیر صانع کے نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ دنیا خود بخود ہے اور کوئی اس کا پیدا کرنے والا نہیں ایک بالکل غلط بات ہے۔ علاوہ ازیں ایک مثال پر غور کرو۔ ایک شخص ایک کاغذ پر سیاہی گری ہوئی دیکھتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ کسی انسان نے گرائی ہو گی مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ شاید کسی چوہے وغیرہ نے دوات اُلٹا دی ہو۔ لیکن اگر اس کاغذ پر تین چار سطریں لکھی ہوئی ہوں خواہ وہ ایسی زبان میں کیوں نہ ہوں جس کو دیکھنے والا نہیں سمجھتا تب بھی یہی یقین کرے گا کہ یہ صرف انسان کا فعل ہے کسی جانور کا نہیں۔ یہ اسی لئے کہ سطروں کا لکھنا ایک اعلیٰ کام ہے اور ترتیب پر مبنی ہے۔

سو جس طرح ایک شخص تین چار سطروں کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس ترتیب کا ضرور کوئی مرتب ہونا چاہئے۔ اسی طرح ہم بھی جب دنیا اور نظام عالم کو دیکھتے ہیں تو ہم بھی اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ایسے پُر حکمت اور مرتب نظام کا بھی کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ‘‘

(الفضل قادیان دارالامان۔ جلد 2 نمبر 102 مورخہ 9 فروری 1915ء صفحہ 6)

❁❁❁❁❁

عہد نامہ جدید کے چند اختلافات

(ایم۔ناصر)

لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔(النساء: 83)

اگر وہ اللہ کے سوا (کسی اور) کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

(1) مرقس کی انجیل باب 14، 15 سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کو عید فسح کے کھانے کے ایک دن بعد صلیب پر چڑھایا گیا مگر یوحنا کی انجیل کے باب 19 سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر عید فسح کے کھانے کے ایک دن پہلے چڑھایا گیا۔

(2) لوقا باب 2 سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ کی پیدائش ہوئی تو یوسف اور حضرت مریمؑ بچے کو لے کر واپس ناصرہ آگئے مگر متی باب 2 سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش کے معاً بعد حکومت کی طرف سے خطرہ دیکھ کر یوسف اور حضرت مریمؑ فوری طور پر مصر چلے گئے۔

(3) گلتیوں کے خط میں پولوس لکھتا ہے کہ جب اس نے عیسائیت قبول کی تو وہ سابقہ حواریوں سے ملنے ہرگز یروشلم نہیں گیا مگر اعمال 9 باب سے پتہ لگتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے یہی کام کیا۔

(4) اعمال کی کتاب سے پتہ لگتا ہے کہ واقعہ صلیب کے معاً بعد حضرت مسیحؑ آسمان پر چلے گئے مگر متی آخری باب میں ذکر ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد گلیل چلے گئے۔ اور وہاں حواریوں سے ملے اور آسمان پر جانے کا کوئی ذکر ہی متی میں نہیں ہے۔ یوحنا کی انجیل میں بھی آسمان پر جانے کا نہیں بلکہ گلیل جانے کا ذکر ہے اعمال کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ 40 دن کے بعد مسیحؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا جبکہ لوقا کی انجیل سے یہ تأثر ملتا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔

(5) یہود میں یہ بات مسلّم تھی کہ آنے والا مسیح حضرت داؤدؑ کی نسل میں سے ہوگا مگر اس بات میں اختلاف تھا کہ وہ

حضرت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کی نسل میں سے ہو گا یا ان کے بیٹے ناتن کی نسل سے۔

متی کے انجیل نویس نے حضرت مسیح ناصریؑ کا جو نسب نامہ اپنی انجیل کے پہلے ہی باب میں دیا ہے اس کی رو سے حضرت مسیح ناصریؑ حضرت سلیمانؑ کی اولاد سے ہیں لوقا نے حضرت مسیح ناصریؑ کا نسب نامہ اپنی انجیل کے تیسرے باب میں دیا ہے اس کی رو سے حضرت مسیح ناصریؑ ناتن کی نسل سے ہیں۔

گویا دونوں نے اپنے اپنے علاقہ یا مسلک کے یہود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔

(6)　لوقا کے نسب نامہ میں حضرت داؤدؑ کی 42ویں پشت پر حضرت مسیح ناصریؑ ہیں۔ متی کے نسب نامہ میں حضرت داؤدؑ کی 27ویں پشت پر حضرت مسیح ناصریؑ ہیں۔

(7)　متی اور لوقا دونوں کے نسب نامہ کی تعداد اور ناموں کے لحاظ سے شدید اختلاف ہے۔

(8)　دونوں انجیل نویسوں کی یہ کوشش کہ کسی طرح حضرت مسیح ناصریؑ کو حضرت داؤدؑ کی اولاد میں سے ثابت کر دیا جائے نے خود حضرت مسیح ناصریؑ کے اس ارشاد کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ متی باب 22 آیت 45 میں حضرت مسیح ناصریؑ خود کہتے ہیں:

"جب داؤد اُس کو خداوند کہتا ہے تو وہ اُس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا۔"

گویا حضرت مسیح ناصریؑ اس تصور کو ہی غلط قرار دیتے ہیں کہ آنے والا مسیح داؤد کی نسل سے ہو گا۔

(9)　خود دونوں نسب ناموں سے ہی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کوشش کہ کسی طرح حضرت مسیح ناصریؑ کو حضرت داؤدؑ کی نسل ثابت کیا جائے بے معنی ہے کیونکہ دونوں نسب نامے یوسف کا نسب نامہ دیتے ہیں نہ کہ مسیحؑ کا۔ یوسف کا حضرت مسیحؑ سے کوئی رشتہ کا تعلق نہیں تھا یوسف نے تو حضرت مسیح ناصریؑ کی پیدائش کے بعد حضرت مریمؑ سے شادی کی۔ <u>حضرت مسیح ناصریؑ بن باپ تھے اور حضرت مریمؑ کے بن باپ بیٹے تھے۔</u> یوسف سے ان کا کوئی رشتہ نہ تھا۔

(10)　متی باب 24 میں آئندہ ہونے والے واقعات بیان کرتے ہوئے آیت 30 میں لکھا ہے:

"اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔"

اور یہودی عدالت میں کارروائی کے دوران یسوع مسیح نے کہا:

"اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔"

(متی باب 26 آیت 64)

متی باب 10 آیت 23 میں یسوع مسیحؑ نے کہا:

”لیکن جب تم کو ایک شہر میں ستائیں تو دوسرے کو بھاگ جاؤ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم اسرائیل کے سب شہروں میں نہ پھر چکو گے کہ ابن آدم آجائے گا۔“

یسوع مسیحؑ کے ان ارشادات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پولوس کہتا ہے:

”ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھیں گے۔ کیونکہ خداوند خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح میں موئے جی اٹھیں گے۔ پھر ہم جو زندہ باقی ہوں گے ان کے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے تا کہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں۔“ (1 تھسلنیکیوں باب 4 آیات 15 تا 17)

(11)　پولوس اپنے رومیوں کی فضا میں بڑے زور سے شریعت کو رڈ کرتا ہے اور صاف کہتا ہے کہ شریعت کے اعمال کے مطابق کوئی شخص اس کے حضور راستباز نہ ٹھہریگا۔

مگر حضرت مسیحؑ کے بھائی یعقوب اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

”انسان صرف ایمان ہی سے نہیں بلکہ اعمال سے راستباز ٹھہرتا ہے۔“(یعقوب باب 2 آیت 24)

(12)　متی باب 21 سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع ناصریؑ نے انجیر کے ایک درخت کے بارہ میں کہا کہ آئندہ تجھ پر کبھی پھل نہ لگے اور انجیر کا درخت اس دم سوکھ گیا شاگردوں نے دیکھ کر تعجب کیا اور کہا یہ انجیر کا درخت یکدم سوکھ گیا۔

مگر مرقس باب 11 سے معلوم ہوتا ہوتا ہے کہ شاگردوں نے دوسرے دن دیکھا تو درخت سوکھ گیا ہے۔ متی کی رو سے شاگرد درخت کے سوکھنے کا نظارہ پہلے دن ہی دیکھ لیتے تھے۔

(13)　مرقس باب 10 آیت 11 کے مطابق بیوی کو چھوڑنا اور طلاق دینا کلیۃً نفی ہے۔

مگر متی باب 19 سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام کاری کی بناء پر طلاق دی جاسکتی ہے۔

(14)　حضرت مسیح ناصریؑ شمعون نامی اپنے حواری کو نہایت محبت اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہوں نے اس کو پطرس یعنی بنیادی پتھر کا لقب دیا اور فرمایا کہ میں اس پطرس پر اپنے کلیسا کی بنیا درکھوں گا اور جو یہ زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا۔(متی باب 16 آیت 18،19)

مگر اسی باب 16 کی آیت 23 میں حضرت مسیح ناصریؑ شمعون پطرس کو کہتے ہیں دور ہو اے شمعون۔

(15)　ایک طرف اناجیل پطرس کو بلند مقام دیتی ہیں دوسری طرف یہ بھی کہتی ہیں کہ وہ اور اس کے سب ساتھی حواری خطرہ کے وقت حضرت مسیح ناصریؑ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

(16)　شمعون پطرس کے حد درجہ بلند مقام کے ذکر کے ساتھ اس میں لکھا ہے کہ شمعون پطرس نے اس وقت جب یہودی عدالت میں حضرت مسیح ناصریؑ پر مقدمہ چل رہا تھا تین بار مسیح کا انکار کیا بلکہ لعنت بھیجی۔

(17)　پطرس کے بلند مقام اور حضرت مسیح ناصریؑ کے بعد پہلے پوپ کے عہد پر سرفراز ہونے کے باوجود نئے عہد نامہ میں لکھا ہے کہ پولوس کہتا ہے:

میں نے کیفا (پطرس) پر ملامت کی اور وہ ملامت کے لائق تھا۔۔۔ (گلتیوں باب 2 آیت 11)

اس حواری پطرس پر جو حضرت مسیح ناصریؑ کا پہلا جانشین تھا منافقت کا الزام ہے اب ایک طرف نیا عہد نامہ اس کے مطلق یہ کہتا ہے کہ جو وہ زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بندھے گا دوسری طرف اس پر منافقت کا الزام بھی لگاتا ہے۔

(18)　مسیحی چرچ کہتا ہے کہ اناجیل میں حضرت مسیح ناصریؑ کی صلیبی موت کا ذکر ہے (ہمارے خیال سے تو اناجیل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیبی موت سے بچ گئے تھے مگر یہ الگ مضمون ہے) مگر اناجیل میں واضح طور پر یہ ذکر موجود ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ نشان مانگتے ہیں مگر ان کو یوناہ نبی کے نشان کے علاوہ کوئی نشان نہیں دیا جائے گا۔

اب دیکھیئے کہ یوناہ نبی کا نشان کیا تھا پرانے عہد نامہ میں یوناہ نبی کی کتاب موجود ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ یوناہ پر ایسی باتیں کی گئیں جن سے اس کی موت یقینی تھی مگر وہ موت سے بچ گئے یوناہ کشتی میں تھا اور کشتی ڈوبنے کو تھی پھر یوناہ کو طوفان سے موجیں مارتے ہوئے سمندر میں پھینک دیا گیا پھر مچھلی نے اس کو ہڑپ کر لیا مگر اس کے بعد بھی وہ زندہ رہا ایک دوسرے شہر جا کر اس نے تبلیغ شروع کی۔ اب ایک طرف نیا عہد نامہ بقول چرچ مسیح کو صلیب پر مرنے والا کہتا ہے دوسری طرف اس کے نشان کو یوناہ کا نشان کہتا ہے حالانکہ یوناہ موت سے بچ گیا تھا اب یہ اختلاف نہیں تو اور کیا ہے۔

(19)　نیا عہد نامہ بقول چرچ حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت کا ذکر کرتا ہے مگر دوسری طرف عبرانیوں کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو موت سے بچا لیا کیونکہ عبرانیوں میں لکھا ہے:

"اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زُور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اُسی سے دعائیں اور التجائیں

کیں جو اُس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب سے اُس کی سنی گئی۔"(عبرانیوں باب 5 آیت 7)

یہ عبارت تو صاف بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اس کی دعاؤں کو مقبول کر لیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے ساری رات تڑپ تڑپ کر یہ دعائیں کی تھی کہ مجھ سے یہ پیالہ ٹل جائے۔

(20) نئے عہد نامہ میں ہر چھوٹی بڑی بات میں اختلاف ہے۔یہوداہ اسکریوطی جس نے حضرت مسیح ناصریؑ کو گرفتار کرنے میں مدد کی اس کے بارہ میں بھی نئے عہد نامہ میں ایک قطعی اختلاف پایا جاتا ہے ایک طرف تو اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ پطرس نے کہا:

> "اے بھائیو اُس نوشتہ کا پورا ہونا ضرور تھا جو روح القدس نے داؤد کی زبانی اُس یہوداہ کے حق میں پہلے سے کہا تھا جو یسوع کے پکڑنے والوں کا رہنما ہوا کیونکہ وہ ہم میں شمار کیا گیا اور اُس نے اِس خدمت کا حصہ پایا۔ اُس نے اِس بدکاری کی کمائی سے ایک کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا اور اُس کا پیٹ پھٹ گیا اور اُس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں اور یہ یروشلم کے سب رہنے والوں کو معلوم ہوا یہاں تک اس کھیت کا نام ان کی زبان میں ھَکَل دَمَا پڑ گیا یعنی خون کا کھیت۔"[1]

دوسری طرف متی کی انجیل میں لکھا ہے:

> "جب اس کے پکڑوانے والے یہوداہ نے یہ دیکھا کہ وہ مجرم ٹھہرایا گیا تو پچھتایا اور وہ تیس روپے سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس لا کر کہا میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوایا انہوں نے کہا ہمیں کیا؟ تو جان۔ اور وہ روپیوں کو مَقدِس میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ سردار کاہنوں نے روپے لے کر کہا ان کو ہیکل کے خزانہ میں ڈالنا روا نہیں کیونکہ یہ خون کی قیمت ہے پس انہوں نے مشورہ کر کے ان روپیوں سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کے لئے خریدا اِس سبب سے وہ کھیت آج تک خون کا کھیت کہلاتا ہے۔"[2]

(21) ہم اس مضمون کو نئے عہد نامہ کے اختلاف کے اس پوائنٹ پر ختم کرتے ہیں کہ حوالہ میں جس اختلاف کا ذکر ہے وہ نہ صرف نئے عہد نامہ میں اختلاف کی موجودگی کا پتہ نہیں دیتا بلکہ ساتھ آج کے چرچ کی بنیادی تعلیم پر پانی پھر دیتا ہے اس

---

[1] اعمال باب 1 آیات 16 تا 19
[2] متی باب 27 آیات 3 تا 8

پوائنٹ کی تفصیل یہ ہے کہ کہ پولوس جس کے گرد دراصل آج کی عیسائیت گھومتی ہے اپنے مکتوب ایک کرنتھیوں میں لکھتا ہے:

"مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لیے مؤا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اٹھا اور کیفا کو اور اس کے بعد ان بارہ کو دکھائی دیا پھر پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیا۔"[1]

اب جو لوگ چاروں اناجیل اور اعمال کی کتاب کا غور سے مطالعہ کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کتابوں میں ایک مضمون یہ ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیح ناصریؑ نے انکار کا پردہ رکھا اور اپنے خاص حواریوں سے بھی وہ چھپ کر ملتے رہے۔ نیز یہ بھی اس مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت مسیح ناصریؑ کو حواریوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ تر تھی اور وہ واقعہ صلیب کے بعد جب پطرس نے حواریوں کو یہوداہ اسکریوطی کی جگہ نیا حواری مقرر کرنے کے لئے مجلس کی تو اس وقت ماننے والوں کی تعداد 120 تھی۔ جیسا کہ اعمال کی کتاب میں لکھا ہے:

"اور انہی دنوں پطرس بھائیوں میں جو تخمیناً ایک سو بیس شخصوں کی جماعت تھی کھڑا ہو کر کہنے لگا۔"[2]

اب دیکھیئے اعمال کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے 40 دن بعد آسمان پر اٹھائے گئے اور اس زمانہ کا سارا ذکر اخفاء کے ساتھ ہے۔ (اعمال باب 1)

مگر دوسری طرف ایک کرنتھیوں میں پولوس کہتا ہے کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب کے بعد پطرس سے ملے اور بارہ حواریوں سے ملے اس کے بعد جب کہ ابھی اپنے بھائی یعقوب سے بھی نہیں ملے وہ 500 سے زیادہ بھائیوں سے ایک ساتھ ملے۔ ایک طرف تو یہ دونوں حوالے قطعی اختلاف رکھتے ہیں مگر دوسری طرف آسمان پر جانے سے پہلے حضرت مسیح ناصریؑ کا آسمان پر جانے سے پہلے 500 بھائیوں سے ایک جگہ ملاقات کا بیان بتاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کے بعد کسی ایسی جگہ چلے گئے جہاں وہ یہود اور رومن کی طرف سے خطرہ سے محفوظ تھے اور ان کی تبلیغ اور ماننے والوں کی جماعت کہ 500 سے زیادہ ماننے والوں سے ملاقات ہو سکتی تھی یہی وہ بات ہے جس کا جماعت احمدیہ بار بار پیغام دے رہی ہے کاش کوئی توجہ سے سنے۔

❁❁❁❁❁

[1] ایک کرنتھیوں باب 15 آیات 3 تا 6
[2] اعمال باب 1 آیت 15

انجیل متی کی تفسیر

(ابن مقبول)

یہود اور عیسائیت کی مقدس کتاب بائبل دو بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک پرانا عہد نامہ اور دوسرا نیا عہد نامہ۔ پرانے عہد نامہ کو یہودی اپنی مقدس کتاب کہتے ہیں اور نئے عہد نامہ کو عیسائی اپنی مقدس کتاب قرار دیتے ہیں۔ مضمون شروع کرنے سے قبل بائبل کا مختصر تعارف پیش ہے۔

بائبل یونانی زبان کے لفظ بِبلیون (Biblion) سے مشتق ہے جس کے معنے کتاب کے ہوتے ہیں۔اس طرح اصطلاح میں بائبل اس کتاب یا کتب کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے جو مسیحیوں کی مقدس کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔

بائبل دو بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک پرانا عہد نامہ اور دوسرا نیا عہد نامہ۔ پرانے عہد نامہ کو یہودی اپنی کتاب مقدس قرار دیتے ہیں۔

پرانا عہد نامہ:

پرانا عہد نامہ تین بڑے حصّوں میں بٹا ہوا ہے۔

(1) تورہ (تورات)۔(Torah)

(2) نابیم۔(Navim)

(3) کتوبیم۔(Ketuvim)

پہلا حصہ تورہ (یعنی تورات) پرانے عہد نامہ کی پہلی پانچ کتب پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء پر مشتمل ہے۔

دوسرا حصہ نابیم (یعنی انبیاء) کہلاتا ہے جو سابق انبیاء یوشع، قضاۃ، سموئیل و سلاطین اور موئخر انبیاء یعنی یسعیاہ، یرمیاہ، حزقیل اور 12 انبیاء صغار کی کتب پر مشتمل ہے۔ جن میں ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدیاہ، یوناہ، میکاہ، ناحوم، حبقوق، صفنیاہ، حجی، زکریا اور ملاکی کی کتب شامل ہیں۔

تیسرا حصہ کتوبیم (یعنی تحریرات) کہلاتا ہے جو زبور، امثال، ایوب، روت، غزل الغزلات، نوحہ، واعظ، آستر،

دانیال، عزرا، نحمیاہ اور تواریخ پر مشتمل ہے۔

پرانا عہد نامہ عبرانی زبان میں ہے البتہ دو تین جگہ بعض عبارتیں آرامی زبان میں ہیں۔

پرانے عہد نامہ کی کسی کتاب کے متعلق بھی وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کس نے لکھی اور کس زمانہ میں لکھی گئی۔

تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے لیکن ان کتب کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ کتب آپ کے زمانہ دراز بعد لکھی گئیں۔ موجودہ محققین کا اندازہ ہے کہ اس کی تکمیل اس وقت ہوئی جب یہود بابل کی جلاوطنی سے چھٹی صدی قبل مسیح میں واپس آئے۔

نابیم میں بعض کتب تو کسی مصنف کی طرف منسوب ہی نہیں مثلاً قضاۃ اور سلاطین کی کتب۔ مگر جو کتب جن انبیاء کی طرف منسوب ہیں وہ بھی ان کی تصنیف نہیں مثلاً یوشع کی کتاب میں ان کی وفات کا ذکر ہے اور یسعیاہ کی کتاب میں خورس کا ذکر ہے جو ان سے ڈیڑھ سو سال بعد ہوئے تھے۔ نابیم کی تحریر کی تکمیل موجودہ اندازہ کے مطابق تیسری صدی قبل مسیح کے اختتام پر ہوئی۔

تیسرے حصہ یعنی کتوبیم کے مصنفین اور زمانہ کے متعلق بھی حتمی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں یہ تینوں حصے تکمیل پا چکے تھے۔

پرانے عہد نامہ کے یہ تینوں حصے تصنیف کے ساتھ ہی کتاب مقدس قرار نہیں دیئے گئے بلکہ بتدریج پہلے تورہ پھر نابیم اور پھر کتوبیم کو کتاب مقدس کا حصہ قرار دیا گیا اور اس بارہ میں یہود میں کافی اختلاف ہے۔ چنانچہ طالمود سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہودی فقیہ ہلل (Hillel) کے مکتب کے لوگ واعظ کی کتاب کو کتاب مقدس کا حصہ سمجھتے تھے اور اور شمائی فقیہ (Shammai) کے پیرو اس کے منکر تھے۔ اس بات کا آخری قطعی فیصلہ کہ کونسی کتب کتبِ مقدسہ ہیں، موجودہ تل ابیب (Tel Aviv) کے قریب جامنیہ (Jamnia) مقام میں منعقد ہونے والی کونسل میں ہوا۔ یہ کونسل پہلی صدی عیسوی کے آخر میں ربّی عقیبہ (Rabbi Akiba) کی نگرانی میں ہوئی۔ اس کونسل میں بھی بعض لوگوں کو غزل الغزلات اور واعظ کے تقدس پر شبہ تھا۔

مضامین:

پرانے عہد نامہ کا مرکزی نقطہ بنی اسرائیل ہیں۔ اس کتاب میں بنی اسرائیل کو جو شریعت دی گئی وہ درج ہے۔ اس قوم کی مختلف ادوار کی تاریخ اور جو اتار چڑھاؤ ان پر آئے ان کا بیان ہے اس قوم کے انبیاء کا ذکر ہے۔ انہوں نے جو وعظ کئے

اور انذار و تبشیر کا جو کام کیا وہ بیان کیا گیا ہے۔ اور انبیاء اور دوسرے بزرگوں نے جو پیشگوئیاں کیں اور ان کو جو الہامات ہوئے اور جو رؤیا اور کشوف انہوں نے دیکھے وہ ان میں بیان کئے گئے ہیں۔

نیا عہد نامہ:

نیا عہد نامہ مسیح کے حالات زندگی پر مشتمل چار اناجیل، واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کی سرگرمیوں کے بیان کے متعلق اعمال کی کتاب، پولوس کے تیرہ خطوط، حضرت مسیحؑ کے بھائی یعقوب کا ایک خط اور چھ دیگر خطوط اور کشوف کی ایک کتاب پر مشتمل ہے۔

نئے عہد نامہ کی زبان کے متعلق تین آراء ملتی ہیں:

(1) مشرقی آرتھوڈاکس کلیسیا جس میں روس، یونان، ترکی اور عرب ممالک کے عیسائی شامل ہیں، اس بات کا مدعی ہے کہ سارا نیا عہد نامہ آرامی زبان میں لکھا گیا ہے اور جوں کا توں ہم تک پہنچا ہے۔

(2) رومن کیتھولک کلیسیا کا بالعموم یہ خیال ہے کہ سوائے متی کی انجیل کے تمام نیا عہد نامہ یونانی میں لکھا گیا ہے۔ متی کی انجیل اصلاً عبرانی میں لکھی گئی اور اب ہم تک یونانی ترجمہ میں پہنچی ہے۔

(3) پروٹسٹنٹ عیسائی بالعموم یہ خیال رکھتے ہیں کہ سارا نیا عہد نامہ یونانی میں لکھا گیا۔ موجودہ زمانہ کے محققین کی غالب اکثریت بھی یہی خیال رکھتی ہے مگر بعض پروٹسٹنٹ عیسائی اور بعض محقق یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اصلاً یہ تمام کتب عبرانی میں ہی لکھی گئی ہوں۔ نئے عہد نامہ کی کتب مختلف اوقات میں لکھی گئیں۔ پولوس کے خطوط 50ء سے 70ء کے درمیان لکھے گئے اور اناجیل اور دیگر خطوط 70ء سے 150ء کے درمیان لکھے گئے۔ دوسری صدی میں مسیحیوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پرانے عہد نامہ سے زائد ان کی کچھ کتب مقدس ہوں اور دو سو سال بڑے بحث و مباحثہ، اختلاف رائے اور تحقیق وغیرہ کے بعد چوتھی صدی میں فیصلہ ہوا کہ نئے عہد نامہ میں کونسی کتب بطور مقدس صحائف کے شامل ہونی چاہئیں۔

ان میں سے سب سے پہلی کتاب اور چاروں اناجیل میں سے پہلی، انجیل متی کی انجیل کے نام سے معروف ہے۔ اس کے بارہ میں کچھ باتیں پیش خدمت ہیں۔

باقی نئے عہد نامہ کی طرح متی کی انجیل بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی تصنیف نہیں، نہ ہی یہ کتاب ان کی نظر سے گزری ہو گی کیونکہ واقعہ صلیب کے کئی سال بعد تصنیف ہوئی۔

نہ ہی یہ کتاب الہامی کتاب ہے، نہ ہی اس کتاب میں کوئی دعویٰ یاذکر ہے کہ یہ کتاب کسی کو الہام ہوئی۔
یہ کتاب کس کی تصنیف ہے، اس کا کوئی ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ البتہ روایتی عقیدہ کے مطابق یہ حواری متی کی تصنیف کہی جاتی ہے۔ جو الفاظ قدیم سے اس کے نام کے طور پر بولے جاتے ہیں وہ ہیں:
Κατά Μαθθαίον(یونانی) جس کا ترجمہ ہےAccording To Matthewیعنی متی کے مطابق۔
آج کل کے بعض علماء بائبل اس بارہ میں کہ یہ متی حواری کی تصنیف ہے شک کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً جے آر ڈم میلو(J. R. Dummelow)اپنی تفسیر بائبل میں لکھتے ہیں:

"St. Matthew the reputed author of the first gospel,was a customs house officer."[1]

پہلی انجیل کے معروف مصنف سینٹ میتھیوSt. Matthew کسٹم ہاؤس آفیسر تھے۔
The Interpreters Bibleجلد7صفحہ242میں لکھا ہے:

"The original author could,ofcourse, have been a later Christian who have this common Jewish name, but when the name became attached to the gospel, it must generally assumed that "Matthew" was the apostle."[2]

اصل مصنف، یقیناً، بعد کے زمانہ کا کوئی عیسائی ہو سکتا تھا جس کا یہ عمومی رائج یہودی نام ہے، لیکن جب یہ نام انجیل کے ساتھ منسلک ہوگیا تو عام طور پر یہ فرض کر لینا چاہیئے کہ یہ "میتھیو"(حضرت مسیحؑ کا) حواری تھا۔
نیاعہد نامہ کس زبان میں لکھا گیا اس کے متعلق عام رائے یہ ہے:

"The New Testament was written in Koine or common Greek."[3]

نیا عہد نامہ قدیم یا عام یونانی زبان میں لکھا گیا تھا۔
مگر Eastern Orthodox Churchکا عقیدہ ہے کہ تمام نیا عہد نامہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مادری زبان آرامی میں ہی لکھا گیا تھا اور آرامی میں یہ ہم تک پہنچا ہے۔ مگر رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ بالعموم یہ مانتے ہیں کہ نئے

[1]The Rev. J. R. Dummellow,A Commentary on the Holy Bible. 1909, Published by The Macmillan Company, New York p: 619
[2]The Interpreters Bible 1984, Parthenon Press, Nashville, Tennessee, U.S.A, Part 7, p: 242
[3] The Interpreters Bible 1984, Parthenon Press, Nashville, Tennessee, U.S.A, Part 7, p: 239

عہد نامہ کی جملہ کتب عام یونانی میں لکھی گئی تھیں۔

مگر متی کی انجیل کے بارہ میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اصلاً عبرانی یا آرامی میں لکھی گئی تھی مگر ہم تک یونانی ترجمہ میں پہنچی ہے اس خیال کی بنیاد اس درج ذیل حوالہ پر ہے:

"Papias of Hierepolis, who Flourished in Phrygia about A.D 130-140, wrote a book "Exposition of the Oreales of the Lord" now lost to us save for a few tantalizing fragments. One of these reads "Matthew composed the oracles (the sayings) in the Hebrew language, but every interpreted them as he was able."[1]

Hierepolis کے پاپیاس، جو Phrygia موجودہ ترکیہ میں A.D 130-140 میں معروف تھے، نے ایک کتاب "ایکسپوزیشن آف دی اوریئلز آف لارڈ" لکھی تھی، اب وہ کتاب چند ٹکڑوں کے علاوہ مفقود ہے۔ ان میں سے ایک میں مذکور ہے کہ میتھیو نے اپنے خیالات یعنی اقوال عبرانی زبان میں تحریر کیے تھے، لیکن ہر ایک نے ان کی اپنی قابلیت کے مطابق تشریح کی۔

جیسا کہ ذکر ہوا نیا عہد نامہ نہ حضرت مسیح کو الہام ہوا نہ حضرت مسیح کی تصنیف ہے نہ ہی آپ نے کبھی اس کتاب کو دیکھا، نہ ہی آپ کے زمانہ میں اس کو کتاب مقدس سمجھا گیا۔

نئے عہد نامہ کی جملہ کتب حضرت مسیح کے لمبے عرصہ کے بعد کتاب مقدس قرار پائیں مگر بڑے بحث مباحثہ اور اختلاف رائے کے بعد چوتھی صدی کے آخر میں جا کر یہ فیصلہ ہوا کہ ان اناجیل میں حضرت مسیح کی زبان سے جہاں بھی کتاب مقدس اور مقدس صحیفہ کا ذکر ملتا ہے اس سے مراد کتب کا وہ مجموعہ ہے جس کو اب عیسائی چرچ نے پرانا عہد نامہ کا لقب دے رکھا ہے حضرت مسیح خود اس کے متعلق بار بار کہتے ہیں کہ "کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔"[2]

نیا عہد نامہ خود کبھی الہامی کتاب اور Word of God ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی تصنیف ہے مثلاً لوقا کی انجیل میں لکھا ہے:

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں۔ ان کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ انہوں نے جو خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا اس لئے اے معزز تھیفلس میں نے بھی مناسب

[1] The Interpreters Bible 1984, Parthenon Press, Nashville, Tennessee, U.S.A, Part 7, p: 240

[2] یوحنا باب 10 آیت 35

جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے۔"(لوقا باب 1 آیات 1 تا4)

کرنتھیوں کے پہلے خط میں لکھا ہے:

"کنواریوں کے حق میں میرے پاس خداوند کا کوئی حکم نہیں لیکن دیانت دار ہونے کے لئے جیسا خداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق اپنی رائے دیتا ہوں۔"[1]

کرنتھیوں کے دوسرے خط میں لکھا ہے:

"جو کچھ میں کہتا ہوں وہ خداوند کے طور نہیں بلکہ گویا بے وقوفی سے اور اس جرأت سے کہتا ہوں جو فخر کرنے میں ہوتی ہے۔"[2]

علماء بائبل میں یہ بات مسلمہ ہے کہ نیا عہد نامہ ایک لمبی بحث و تمحیص کے بعد اور ایک لمبے عرصہ کے بعد کینن یعنی کتاب مقدس قرار پایا۔ اس لئے صرف ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے:

"The N.T represents a larger body of christens literature written before the 4th century, when after a long controversery the present cannon was adopted."[3]

نیا عہد نامہ چوتھی صدی سے قبل لکھے گئے مسیحی ادب کے ایک بڑے حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، جب ایک طویل اختلاف کے بعد موجودہ کینن کو تشکیل دیا گیا تھا۔

(جاری ہے)

❁❁❁❁❁

[1] کرنتھیوں باب 7 آیت 25

[2] 2 کرنتھیوں باب 11 آیت 17

[3] Madeleine S.Miller and J.Lane Miller, Blacks Bible Dictionary, Published by Adam and Charles Black, London 1954 p: 489 under the word New Testaments

آپالونی آس (Apollonius of Tyana) کے سوانح حیات کا جائزہ اور سفر ہندوستان

کیا آپالونی آس کے سوانح میں حضرت مسیح ناصریؑ کے واقعات کی جھلک ملتی ہے؟

Apollonius of Tyana depicted on a coin

آپالونی آس (Apollonius) پہلی صدی عیسوی کا فیثا غورثی مکتب سے تعلق رکھنے والا ایک فلاسفر تھا، جو Tyana (موجودہ ترکی کا ایک علاقہ) میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی تعلیم ترسوس (Tarsus) (موجودہ ترکی کا ایک علاقہ) میں ہوئی۔ روایات کے مطابق اس نے سولہ برس کی عمر میں اپنے آپ کو فیثا غورث کی تعلیمات کے پرچار کے لیے وقف کر دیا۔ مزید علم کے حصول کے لیے اس نے مختلف ممالک کا سفر کیا اور ہندوستان بھی آیا۔ اس سفر میں اس کا ایک شاگرد ڈامس (Damis) بھی اس کے ہمراہ تھا جو اس کے سفر کے واقعات کو قلمبند کرتا رہا۔ تیسری صدی عیسوی کے ایک یونانی فلاسفر فلاسٹریٹس (Philostratus) نے رومی ملکہ جولیا ڈومنا (Julia Domna) کے حکم پر آپالونی آس کے تفصیلی حالات قلمبند کیے۔ آپالونی آس کے حالات کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں حضرت مسیح ناصریؑ کے حالات کی جھلک ملتی ہے۔ زمانہ بھی ایک ہی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں آپالونی آس کے مختصر سوانح کے بیان کے ساتھ حضرت مسیحؑ اور آپالونی آس کے قصہ میں پائی جانے والی مشابہتوں پر بحث کی گئی ہے۔ یہ مضمون محترم شیخ عبد القادر صاحب مرحوم (محقق عیسائیت) کے اس موضوع پر لکھے گئے مضامین کا خلاصہ ہے جس کو مناسب تبدیلیوں اور اضافوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ (اے۔ آر۔ سدھو)

آپَالَونی آسؔ کی کہانی کا ماخذ:

اس کہانی کا سب سے قدیم ماخذ یونانی فلاسفر فلاسٹرے ٹس (Philostratus) کے لکھے ہوئے حالاتِ آپَالَونی آسؔ ہیں۔ رومی ملکہ ڈومنا(Julia Domna) کے حکم پر 216 عیسوی میں اس نے یہ حالات جمع کرنے شروع کیے۔ 217 عیسوی میں ملکہ ڈومنا کی وفات ہوگئی اور اس طرح آپَالَونی آسؔ کی یہ سوانح اس کی وفات کے بعد 220 عیسوی کے قریب مکمل ہوئی۔ اس سوانح کو فلاسٹرے ٹس نے آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

آپَالَونی آس کی سوانح عمری میں فلاسٹرے ٹس لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں آپَالَونی آس کے کچھ سوانح موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو اس نے اپنے سوانح لکھتے ہوئے پیش نظر رکھا ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ اس کہانی کا بڑا مأخذ ڈامس کا سفر نامہ ہے لیکن وہ ناقص زبان میں تھا۔ میں نے اسے نئے اسلوب سے دوبارہ ترتیب دیا ہے۔ اسی طرح اس کے پیش نظر خود آپَالَونی آس کے خطوط بھی تھے جو کہ اس نے سفر کے دوران مختلف لوگوں اور حکمرانوں کو لکھے۔ ان مأخذوں سے استفادہ کرتے ہوئے اس نے نئے سرے سے آپَالَونی آس کے سوانح کو مرتب کیا۔ اب سوائے فلاسٹرے ٹس کے سوانح کے باقی مأخذ مفقود ہیں۔ اس طرح اب فلاسٹرے ٹس کی مرتبہ یہ کتاب اٹھارہ سو سال 1800 سے یونانی زبان میں دستیاب ہے جو یونان کے ادبیات قدیمہ کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ اپالونی اس کے حالات پر سب سے قدیم مأخذ بھی ہے۔

ان حالات کا سولہویں صدی عیسوی میں اٹالین، فرنچ اور جرمن زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہوا۔ اور اب مختلف زبانوں میں آپَالَونی آسؔ پر معقول تعداد میں لٹریچر موجود ہے۔

آپَالَونی آسؔ کے مختصر حالات:

اب ذیل میں معروف مسیحی سکالر F.C.Conybeare کی کتاب The Life of Apollonius of Tyana[1] سے جو کہ آپَالَونی آس کی سوانح عمری کا انگریزی ترجمہ ہے۔ جو یونانی متن کے ساتھ 2 جلدوں میں چھپاء، سے آپَالَونی آسؔ کے مختصر سوانح پیش ہیں۔

(1)　اس کی پیدائش مسیحی کیلنڈر سے چار سال پیشتر ہوئی۔

---

[1] Philostratus, *The life of Apollonius of Tyana*, English translation by F.C. Conybeare, in 2 volumes, William Heinenam. London, MCMXII

(2) ولادت سے پیشتر اس کی والدہ کے سامنے دیوتا ظاہر ہوا۔ دیوتا سے اس نے دریافت کیا کہ میرے بطن میں کیا ہے؟ جواب ملا کہ خود دیوتا جنم لینے والا ہے۔ گویا ایک عظیم الشان بچے کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔

(3) پیدائش کے موقع پر بعض معجزاتی واقعات رونما ہوئے۔

(4) آپاَلّونی آس خود کو "فرزندِ اپالو" کہتا تھا گو لوگ اسے ذیوس دیوتا کا بیٹا سمجھتے تھے گویا آپاَلّونی آس ذاتی نام نہیں بلکہ صفاتی معلوم ہوتا ہے۔ گویا کہ ابن اللہ کا بدل ہے۔

(5) بچپن میں وہ حد درجہ ذہین تھا، شعور کی قوت سے معمور، عجیب وغریب باتیں کرتا تھا بہت خوبصورت تھا۔

(6) جوانی میں اس سے معجزات کا صدور ہونے لگا، بیماروں کو روحانی توجہ سے اچھا کر دیتا تھا، ایک لڑکی جو کہ "موت کی نیند" سوئی ہوئی تھی اس کی توجہ سے زندہ ہو گئی۔ مصنف نے اشارہ کیا ہے کہ وہ مری نہیں تھی بلکہ گہری بے ہوشی یا سکتہ کے عالم میں تھا یا عمل تنویم کے نتیجہ میں سوئی ہوئی تھی۔

(7) اس نے معلوم دنیا کا سفر کیا۔ انطاکیہ یعنی شام بھی گیا۔

(8) اب اس نے بلاد شرقیہ کے سفر کا فیصلہ کیا خصوصاً ہندوستان جانے کے لئے کمربستہ ہوا۔ جب وہ شام سے سفر کرتا ہوا نینویٰ پہنچا تو اس کی ملاقات ڈامس سے ہوئی جو کہ اس کا شاگرد ہمسفر اور ترجمان بن گیا۔ ڈامس بڑا وفادار شاگرد ثابت ہوا سائے کی طرح اپنے آقا کے ساتھ رہا۔

(9) نینویٰ سے آپاَلّونی آس اور ڈامس بابل پہنچے۔ اردگرد کے بلاد میں پھرتے پھراتے ہندوستان کا رخ کیا کوہ ہندوکش کے علاقہ میں آئے اور درہ خیبر کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ایک راہنما انہیں اٹک کے علاقہ میں یعنی ٹیکسلا لے گیا۔ سندھ کی ندیوں کو پار کرنے کے بعد گنگا وجمنا کی وادیوں میں داخل ہوئے۔ یہاں ان کا سفر اختتام پذیر ہوا۔

(10) ہندوستان میں آپاَلّونی آس برہمن اور بدھ علماء وحکماء کو ملا۔ ان کے علم وحکمت سے بہت متاثر ہوا۔ بہت سے اسرار ورموز وہاں اس نے سیکھے اور شفایابی کے مظاہرے دیکھے۔

(11) اس کے بعد واپسی ہوئی اور واپسی کا یہ سفر بحری جہاز میں کیا۔ سندھ سے ہو کر فرات کے دہانہ تک آئے۔ پھر بابل، نینویٰ، انطاکیہ، افسس بہت سے بلاد مغرب میں گھومتے ہوئے روم میں آئے۔ روم میں آپاَلّونی آس کو بغاوت کے الزام میں زندان میں ڈال دیا گیا۔ ایک دیوتا نے رہائی بخشی۔

(12) روم سے نیرو کے حکم پر فلاسفر جلاوطن کر دیئے گئے۔آپَالَونی آس وہاں سے نکل کر سپین چلا گیا۔وہاں سے افریقہ و سسلی سے ہوتا ہوا یونان میں آیا۔روڈس(Rhodes) سے سکندریہ میں گیا۔وہاں کے لوگوں نے اسے دیوتا بنالیا، نیل کے ذریعہ ایتھوپیا آیا۔وہاں سے طرسوس اور پھر مصر میں وارد ہوا۔الغرض بہت سے بلاد وامصار میں پھرتا رہا۔

(13) بالآخر وہ لاپتہ ہو گیا۔بہت بڑھاپے میں اس کا انتقال ہوا شاید سو سال کی عمر میں۔

(14) مصنف لکھاہے کہ میں نے ساری دنیا دیکھی ہے جہاں جہاں بھی گیا آپَالَونی آس کی باتیں سنیں،اس کے "الہامی اقوال" زبان زد خلائق تھے۔اسے مغرب میں لوگ دیوتا سمجھتے۔الوہی صفات اس کی طرف منسوب ہوئیں اس کے نام پر معابد بنائے گئے۔بادشاہوں نے اس کی عزت و تکریم کی۔

حضرت مسیح ناصریؑ اور آپَالَونی آس میں پائی جانے والی مشابہتیں:

آپَالَونی آس اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے حالات میں غیر معمولی مشابہتیں پائی جاتی ہیں اور بعض محققین تو آپَالَونی آس کو مغرب کا یسوع قرار دیتے ہیں۔چنانچہ ذیل میں چند ایک بڑی بڑی مشابہتیں درج ہیں۔

(1) اس کی پیدائش بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح 4 قبلِ مسیح میں ہوئی۔حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں بھی محققین متفق ہیں کہ آپ کی پیدائش 4 یا 6 قبلِ مسیح میں ہوئی تھی۔چوتھی صدی عیسوی میں جب سنِ عیسوی مرتب کیا گیا تو اس میں 4 یا 6 سال کی غلطی لگ گئی۔

(2) ولادت سے قبل حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ کو بھی قرآن و اناجیل دونوں کے مطابق خدا کے فرشتہ نے عظیم الشان بیٹے کی بشارت دی اسی طرح آپَالَونی آس کی والدہ کو بھی اس کی پیدائش سے قبل دیوتاؤں نے بیٹے کی خوشخبری دی تھی۔

(3) آپَالَونی آس صفاتی نام ہے جس کا مطلب اپالو دیوتا کا بیٹا یہ بھی حضرت مسیحؑ کے خطاب ابن اللہ سے مشابہ ہے۔

(4) آپَالَونی آس اور حضرت مسیح علیہ السلام دونوں کی طرف بچپن اور جوانی میں نہایت دانائی کی باتیں کرنے کے واقعات منسوب ہیں۔

(5) جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے بیماروں کو اچھا کرنے کے معجزات اناجیل میں بیان ہیں اسی طرح کے واقعات اپالونی اس کی سوانح میں اس کی طرف منسوب ہیں حتیٰ کہ روم میں ایک بظاہر مردہ لڑکی کو زندہ کرنے کا واقعہ اناجیل میں بیان مسیح کے ایک لڑکی کو زندہ کرنے کے واقعہ سے حد درجہ مشابہ ہے۔

(6) ہمارے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب سے بچ کر ہندوستان اور بعض یورپی ممالک کا سفر کیا اور روم جانے کے شواہد بھی ملتے ہیں گو مروجہ اناجیل میں تو اس کا ذکر نہیں لیکن دیگر متداول مذہبی و غیر مذہبی لٹریچر میں اس کے اشارے موجود ہیں۔ اسی طرح اپالونی اس نے بھی مختلف ممالک کا سفر کیا اور بالخصوص ہندوستان کا سفر کیا۔

(7) آپَالَونی آسؔ کے سفر میں اس کا ایک شاگرد ڈامس جو نینویٰ میں اسے ملا اس کا ہمسفر بن گیا۔ وہ بلاد شرقیہ کے اسفار میں اپالو کے ہمراہ رہا۔ سفر نامہ اسی نے مرتب کیا۔ اپالو کے اقوال بھی اسی نے جمع کئے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بھی ایک شاگرد کا نام توما(Thomas) تھا۔ توما کو حضرت مسیحؑ نے ہندوستان بھیجا بعد میں خود بھی اسی سفر پر روانہ ہو گئے۔ راستہ میں توما اور حضرت مسیحؑ اکٹھے ہو گئے۔

(8) آپَالَونی آسؔ کی عمر بھی قریباً 100 سال کے قریب بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر بھی اسلامی روایات کے مطابق 120 سال کے قریب بیان ہوئی ہے۔

انہیں مشابہتوں کی وجہ سے بعض انگریز محققین بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ آپَالَونی آسؔ کے حالات میں دراصل حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات ملا دیئے گئے یا بعض محققین تو یہاں تک لکھ گئے کہ اصل مسیح ہے ہی آپَالَونی آسؔ۔

Encyclopaedia of Religion and Ethics میں Apollonius of Tyana پر مبسوط مقالہ قابل دید ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے کہ اس افسانہ میں یسوع مسیح کے مدّمقابل ایک شخصیت کو اُبھارا گیا جن کے حالات ملتے جلتے ہیں۔

William Smith نے ایک انسائیکلوپیڈیا Dictionary of Christian Biography کے نام سے مرتب کیا۔ اس میں بھی Apollonius پر ایک طویل مقالہ لکھا گیا۔ مقالہ نویس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ عیسائیت کا اثر ختم کرنے کے لئے پیگن علماء نے حضرت مسیحؑ کے بعض حالات قرنِ اوّل کے ایک درویش فلاسفر کی طرف منسوب کر دیئے۔

اسی طرح Encyclopedia of Britannica، Chambers Encyclopedia، Collier's Encyclopedia میں بھی اس فلاسفر پر نوٹ قابل ذکر ہے۔

J.M. Roberts نے 1912ء میں اپنی کتاب Antiquity Unveiled میں یہ تحقیق پیش کی کہ آپَالَونی آسؔ کے روپ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت چھپی ہوئی ہے۔

اسی طرح W. Raymond Drake اپنی کتاب Gods and Spacemen in the Ancient East میں

حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخی شخصیت کے متعلق عصر حاضر کے نظریات کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں آپ نے ان علماء کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ صلیبی موت کے قائل نہیں بلکہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ ہندستان میں ہجرت کر گئے تھے۔ لکھتے ہیں:

> Some scholars… allege that Christ survived the Cross and lived in Rome, then died in India.

مفہوماً ترجمہ: بعض علماء اس نظریہ کے حامل ہیں کہ حضرت مسیح ناصریؑ صلیب سے زندہ اتار لئے گئے تھے۔ وہ واقعہ صلیب کے بعد روم میں بھی رہے اور ہندوستان میں جا کر فوت ہوئے۔

اسی تسلسل میں لکھتے ہیں:

Cogent arguments suggest that the historical Jesus was really Apollonius of Tyana, that great spiritual teacher, who nineteen hundred years ago wandered throughout the known world, worked miracles, healed the sick and raised the dead, to whom Emperors built temples and worshiped as a God.[1]

مفہوماً ترجمہ: ایک مدلل استدلال یہ بھی پیش کیا گیا کہ تاریخی مسیح دراصل آپَالَونی آسؔ ہی ہے جو کہ ایک عظیم روحانی استاد تھا۔ جو آج سے انیس سو سال پیشتر ساری معلوم دنیا میں گھوما پھرا۔ اس سے معجزات کا ظہور ہوا، اس نے بیماروں کو اچھا کیا، مردوں کو زندہ کیا، اس کے نام پر بادشاہوں نے معبد بنوائے اور اسے خدا کے طور پر پوجا گیا۔

الغرض سوانح آپَالَونی آسؔ کا ایک حصہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نامعلوم زندگی کا آئینہ دار ہے۔

حرفِ آخر:

انیسویں صدی کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحقیق دنیا کے سامنے پیش کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ گہری بے ہوشی میں صلیب سے اتار لئے گئے۔ مرہم عیسیٰ کے ذریعہ ان کے زخم اچھے ہو گئے۔ صحت مند ہو کر آپ نے کنعان کو خیر باد کہا۔ بالآخر آپ ہندوستان کے شمال مغرب میں آئے یہاں بنی اسرائیل کے جلاوطن قبائل کا بڑا حصہ بسا ہوا تھا۔ ان میں تبلیغ و ہدایت کے لئے برسرِ عمل رہے۔ ایک سو بیس سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور سرینگر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے۔

اس عظیم تحقیق کے لئے آپؑ نے ایک کتاب "مسیح ہندوستان میں" کے نام سے تحریر فرمائی۔ اس میں آپؑ نے یہ

[1] W. Raymond Drake, *Gods and Spacemen in the Ancient East*, (Sphere Books Limited,London 1976) p: 18

بھی واضح فرمایا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے سوانح دوسرے مصلحین کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔ مثلاً بدھ لٹریچر میں گوتم بدھ کی طرف نسبت دے دی گئی اور اس طرح حضرت مسیحؑ کا سراپا بدھ میں مدغم ہو گیا۔[1]

اسی طرح آپؑ نے حضرت مسیح ناصریؑ کی ہجرت از طرف کشمیر کے ضمن میں اپنی تحقیقات میں صحیفہ یُوز آسف سے بھی حوالہ جات دیئے۔ اس صحیفہ میں یوز آسف نامی ایک پیغمبر مختلف ممالک سے ہوتا ہوا کشمیر آتا ہے اور یہاں فوت ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے تمثیلوں میں کلام کرتا ہے اور اس کا بھی ایک شاگرد خاص ''یابد'' نام کا ملتا ہے۔ اس صحیفہ میں بھی یوز آسف اور مسیح کے حالات میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی تحقیقات سے ثابت فرمایا کہ یوز آسف دراصل مسیح ہی ہیں اور یوز یسوع سے بنا ہے اور آسف آپ کا لقب تھا جس کے معنے ہیں ''اکٹھا کرنے والا'' آپ چونکہ اپنے منتشر گلہ کو جمع کرنے والے تھے اس لئے ''یسوع آسف'' کہلائے۔ جو بعد میں یوز آسف بن گیا۔ لیکن صحیفہ یُوز آسف میں بھی مسیح کے حالات ''بدھ'' کے قصے کے ساتھ خلط ملط کر دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح لگتا ہے کہ قرونِ اوّلیٰ میں حضرت مسیحؑ کے بعض حالات آپالَونی آس آف تیانا کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔ اب اگر ان حالات میں حضرت مسیح ناصریؑ کے حالات شامل ہیں جیسا کہ خود بعض مسیحی علماء بھی مانتے ہیں تو پھر یہ حالات حضرت مسیح ناصریؑ کے سفر ہندوستان کے آئینہ دار ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپالَونی آس کے حالات مسیح کے حالات کے ساتھ کیسے مدّغم ہو گئے اس کی ایک ممکنہ وجہ یہ نظر آتی ہے کہ ایڈیسہ میں توما اور حضرت مسیح ناصریؑ کے سفر ہندوستان کی داستان مرتب ہوئی۔ اسی داستان کے بچے کھچے آثار اعمال توما(Acts of Thomas)، انجیل توما(Gospel of Thomas)، غزلات سلیمان(Odes of Solomon) میں محفوظ ہو گئے۔ ایڈیسہ فرات کے مشرق میں سریانی کلیسیا کا مرکز تھا جبکہ آپالَونی آس فرات کے مغرب میں پیدا ہوا۔ آپالَونی آس کا مولد ''تیانا'' ایڈیسہ کے مشرق میں واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے اصل حالات سریانی لٹریچر کی مدد سے مغرب میں پھیلے ان میں آپ کو ''سیاح نبی'' کے روپ میں پیش کیا گیا بعد میں آپ کے یہی اسفار جو کہ توما (Thomas) کے ہمراہ کئے گئے آپالَونی آس اور ڈامس کی طرف منسوب ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب

❁❁❁❁❁

[1] دیکھیں مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 86,85

تعارف کتاب جین مت

کلپ سوتر کا تعارف

(ابنِ شاکر، نادر)

پس منظر:

جین مت برصغیر کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ یہ اَویدک(Avedic[1]) شرامن (Śramaṇa[2]) تحریک، ہندو رسومات اور عقائد (جن کے مطابق خدا کی حمد کرنا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا نجات کا ذریعہ ہے) کے برخلاف ذاتی کوشش سے نفس کی پاکیزگی کا حصول، ہر نوعیت کے ظلم سے احتراز اور دنیا سے مکمل قطع تعلقی کو نجات کا ذریعہ قرار دیتی ہے۔ تاریخی طور پر چھٹی صدی قبل مسیح میں مشرقی بھارت میں وردھمان مہاویر کے ذریعہ جنم لینے والے اس مذہب کے ماننے والوں کے مطابق ان کا مذہب دائمی ہے جس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی کوئی انتہا بلکہ ہر دور میں مصلح آتے ہیں اور احیاء دین کا فرض نبھاتے ہیں۔ یہ مذہب ہندو مت سے بالکل جدا، بدھ مت کے فلسفہ نجات کے قریب، ایک منفرد مذہب ہے جس میں **جیو اور جینے دو** کے نعرے کے تحت عدم تشدد کی تعلیم شدید نوعیت کی ہے جس کے مطابق جو درخت سے پھل توڑ کر کھاتا ہے وہ بھی درخت پر ظلم کرتا ہے اور جو زیرِ زمین اگنے والی سبزی کھاتا ہے وہ بھی ایک جان کو تلف کرتا ہے، اور جو بنا چھانے پانی پیتا ہے وہ لاکھوں جیوں و جانوں کو ہلاک کرتا ہے جس کیلئے وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ جین مت میں خالق خدا کا تصور نہیں۔ بلکہ ان کے مطابق روح، مادہ، وقت، خلا وغیرہ ہمیشہ سے موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ انسانی اعمال یا کرم کی طاقت کائنات میں امن یا بربادی کا باعث بنتی ہے۔

انسان جب تک دنیا سے تعلق نہ ختم کرے اور گناہ کرتا رہے، تب تک زندگی موت کے چکر میں پھنسا رہتا ہے۔ لیکن جب وہ راہبانہ زندگی اختیار کرتا ہے تو نجات کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ اس مقام پر ان کا راہب سادھو یا مُنی

---

[1] ویدوں کی اتھارٹی کو تسلیم نہ کرنے والے۔
[2] راہبانہ نظام کے پیرو۔

کہلاتا ہے۔ یہ مُنی(Muni)جب علم حاصل کرتا ہے تو اُپادھیائے(Upadhyay) کہلاتا ہے۔ اُپادھیائے ترقی کر کے آچاریہ (Ācārya) کہلاتا ہے جو اپنے سنگھ (Sangha)یا جماعت کا سربراہ ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ سب سے بلند مقام ہے جو انسان اپنی زندگی میں پا سکتا ہے۔

آچاریہ جب سمسار(Saṃsāra)یعنی زندگی موت کے چکر سے آزاد ہو کر نجات حاصل کرتا ہے اور گناہ پر فتح پا کر جینا(Jīna) یا جِن یعنی فاتح کہلاتا ہے۔ اسی جینا کے پیروکار جین (Jaina) کہلاتے ہیں۔ یہی جِن سدھ (siddha) کہلاتا ہے۔اور جنت نما مقام سدھ لوک(siddha loka) میں چلا جاتا ہے۔ یہی سدھ اگر انسانیت کی ہدایت کیلئے راہ یا پُل یعنی تیرتھ(tīrtha)ہموار کرے تو تیرتھنکر(tīrthaṅkara) کہلاتا ہے۔ یہ پانچ روحانی مقام ہیں جین مت میں جنہیں پنچ پرمیشٹی (Pañca-Parameṣṭhi)کہتے ہیں۔ انہیں پر درود یعنی نموکار منتر (Ṇamōkāra mantra) پڑھنے کو عبادت سمجھا جاتا ہے۔ان کے مطابق انسانی روح یعنی آتما ہی ترقی کر کے پرماتما بنتی ہے جو قابل تقلید ہے خالق نہیں۔

جین منی(دائیں)، اپادھیائے(بائیں) اور آچاریہ(وسط) آچاریہ آتمارام کی برسی کی تقریبات کے موقع پر گجرانوالہ میں سمادھی آتمارام کے مقام پر لی گئی تصویر2022

سدھ چکر جس میں پنچ پرمیشٹھی اور نموکار منتر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ گجرانوالہ میں لی گئی تصویر

انہیں تیر تھنکروں کے کلام کو جین مت میں مقدس مانا جاتا ہے۔چوبیسویں اور اب تک کے آخری تیر تھنکر وردھمان مہاویر کی تعلیمات موجودہ جین مت کے لٹریچر کا اہم ترین حصہ ہیں جنہیں ان کے شاگردوں اور بعد کے بزرگوں نے مرتب کیا۔زیرِ نظر مضمون میں اسی مقدس جین لٹریچر کی ایک اہم کتاب کلپ سوتر(Kalpasūtra)کا تعارف پیشِ خدمت ہے۔

کلپسوتر جین مت کے شیویتمبر(Śvētāmbara)فرقے کی اہم ترین مقدس کتب میں سے ایک ہے۔یہ چھید سُوتر (Chedasūtra)کا ایک اہم متن ہے۔ چھید سُوتر راہبانہ نظم وضبط، گناہوں اور ان کے کفارے سے متعلق قوانین کا مجموعہ ہے۔کلپ سوتر کو صدیوں سے شویتمبر جینوں کی مذہبی زندگی میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔یہ کتاب آردھ مگدھی(Ārdha Magadhi)زبان میں تحریر کی گئی ہے جو کہ پراکرت(Prakrit) کی ہی ایک شاخ ہے۔کلپ سوتر کا متن نثر اور نظم دونوں پر مشتمل ہے۔نثری حصہ میں بھی شاعرانہ مبالغہ نمایاں ہے۔

گجراتی جینوں میں کلپ سوتر کا ایک نام بارہ سو سوتر ہے۔1200 کی تعداد سوتروں کی تعداد سے اخذ کی گئی ہے جو کہ اصل میں 1216 ہے۔اس کا پراکرت نام "Pajjosavaṇā Kappa" بھی ہے جسے سنسکرت میں پَرِیُوشن کلپ

کہا جائے گا یعنی ایسی داستان جسے پریوشن کے تہوار پر پڑھا جاتا ہے جو کہ جین مت میں بہت اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ در حقیقت اس متن کی خاص اہمیت اور مقبولیت بڑی حد تک اس کی پریُوشَن (Paryuṣaṇa) کے جشن سے وابستگی کی وجہ سے ہے، جو برسات کے موسم کے آخر میں منایا جاتا ہے۔ کلپ سوتر اس جشن میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ پریُوشَن کے سالانہ تہوار کے دوران اس کے نسخے نقل کیے جاتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔ جین مت میں اس کتاب کے تقدس کے پیش نظر اس کو صرف جین سادھو ہی پڑھتے ہیں۔ عام لوگ صرف اس کا درس سنتے ہیں۔

کلپ سوتر کے متن کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں 24 تیرتھنکروں کی زندگی کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں، اور ان کے ابتدائی پیروکاروں کا تعارف کروایا گیا ہے۔ دوسرا حصہ ستھاوِیرہ وَلی (Sthavirāvalī) کہلاتا ہے جس میں روحانی سلسلے بیان کئے گئے ہیں۔ جبکہ تیسرے حصے میں بارش کے موسم میں قیام کے دوران راہبوں کیلئے اُصول بیان کئے گئے ہیں۔ یہ تقسیم The Sacred Books of the east جلد 22 میں درج کلپ سوتر کے نسخہ کے مطابق ہے۔ جبکہ دیگر نسخہ جات میں ستھاویدہ ولی اور رہنمانہ قوانین سے سوا دیگر متون بھی درج کئے جاتے ہیں۔

کلپ سوتر جین آرٹ کے لیے ایک اہم ماخذ ہے، کیونکہ یہ سب سے زیادہ تصویر کشی کئے جانے والے جین متون میں سے ایک ہے۔ جین مت میں تصویر کشی بنیادی طور پر مذہبی متون کے اہم واقعات اور موضوعات کو عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

پانچ سو سال قدیم کلپ سوتر کا تصویری نسخہ جس میں پارشوناتھ کو دکھایا گیا ہے

کلپ سوتر کی تالیف:

کلپ سوتر کو بھدر اباہو (Bhadrabāhu) کی تالیف سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک معروف ابتدائی جین آچاریہ ہیں۔ یہ وہ آخری آچاریہ سمجھے جاتے ہیں جو مشترکہ جین سنگھ (جماعت) کے استاد تھے۔ ان کے بعد جین مت میں فرقہ

بندی ہو گئی اور ڈیگمبر (Digambara)اور شویتمبر (Śvētāmbara) آچاریہ الگ الگ بننے لگے۔ بھدرا باہو کو موریہ خاندان کے بانی چندر گپت موریہ کا استاد مانا جاتا ہے جن کی پیروی میں چندر گپت نے جین مت قبول کیا اور تخت کو خیر باد کہہ کر راہبانہ زندگی شروع کی اور جنوبی ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور وہیں جین قربانی سلیکھنا(Sallekhanā) کو قبول کیا جس میں اپنی خوراک کو آہستہ آہستہ ختم کرکے انسان موت تک پہنچ جاتا ہے۔

کلپ سوتر کی تصنیف کے زمانے کے بارہ میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ اس کتاب کی اندرونی شہادت کے مطابق کتاب کا مصنف اپنی اس تحریر کا زمانہ مہاویر کی وفات کے 980 برس بعد کا بتاتا ہے۔ مہاویر کی وفات کے سال میں بھی اختلاف ہے۔ شیویتمبر جینیوں کے مطابق مہاویر 527 قبل مسیح میں فوت ہوئے۔ اگر اس تاریخ کو درست تصور کیا جائے اور اس میں 980 سال اور شامل کئے جائیں تو اس طرح کتاب کے اس حصہ کا تعلق پانچویں صدی عیسوی کا بنتا ہے۔ جبکہ بھدرا باہو کا زمانہ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ بھدر باہو ہی اس کتاب کے مصنف ہیں، جن کا زمانہ مہاویر کی وفات کے تقریباً 162 سے 175 سال بعد کا ہے، تو یہ کتاب تقریباً 2,300 سال پرانی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کا کوئی حتمی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کلپ سوتر صدیوں تک زبانی طور پر داستان کے رنگ میں سنائی جاتی رہی ہو جس کا سلسلہ بھدرا باہو سے شروع ہوا ہو اور اس کے ضبطِ تحریر میں لانے کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی ہو۔ کلپ سوتر کا اب تک ملنے والا قدیم ترین مخطوطہ چودھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے۔

کلپ سوترSacred books of theEast کے سلسلے میں شامل ہے، جو 19ویں صدی کے اواخر میں میکس مولر (Max Müller) کی جانب سے مرتب کیا گیا تھا۔ اس سلسلے کا مقصد مشرقی مذاہب کے مقدس متون کو مغربی قارئین کے لیے قابل رسائی بنانا تھا۔ اس کتاب میں کلپ سوتر کو جلد 22 میں رکھا گیا ہے۔ یہ جلد جین سوتروں پر مبنی ہے۔ اس جلد میں اہم جین متون کے ترجمے شامل ہیں، جن میں اچارنگ سوتر(Ācārangasūtra)اور کلپ سوتر شامل ہیں، ساتھ ہی انکی تشریح اور سیاق و سباق کی معلومات فٹ نوٹس کی صورت میں شامل ہیں۔ کلپ سوتر کا انگریزی ترجمہ Hermann Jacobi نے کیا ہے جو کہ ایک معروف جرمن Indologist تھے۔ اس جلد کے آغاز میں 45 صفحات پر مشتمل جین مت کا تعارف بھی درج کیا گیا ہے جو کہ جین مت کے بارہ میں مفید معلومات فراہم کرتا ہے۔

کلپ سوتر کا مواد:

کلپ سوتر کے مواد میں تیر تھنکروں کے مقام، جین بزرگوں کے سلسلے، اور راہبانہ نظام کے اصولوں کے بارہ میں جین عقیدے کی بنیادیں موجود ہیں جس کے تین حصے ہیں۔

حصہ اول ”تیر تھنکروں کی زندگی“

کلپ سوتر کا پہلا حصہ جِن چَرِتر(Jīna-caritra) یا تیر تھنکروں کی زندگی کہلاتا ہے۔ اس حصہ میں بیان کردہ تمام تیر تھنکروں کی زندگی کی کہانیاں ایک ہی طرز کی پیروی کرتی ہیں۔ اس میں 24 تیر تھنکروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں سے 20 تیر تھنکروں کی زندگیوں کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی زندگیوں کے اہم واقعات کی صرف خاکہ نما تفصیل فراہم کی گئی ہے۔ اور درج ذیل 4 کا نسبتاً تفصیلی ذکر ہوا ہے:

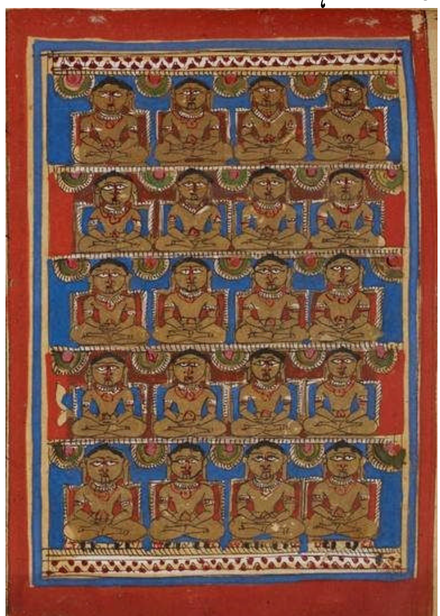

جین تیر تھنکروں کی تصویر کشی، عہدِ وسطیٰ کے ایک مخطوطے سے ماخوذ

(1) مہاویر(Mahāvīra)، 24ویں تیر تھنکر

(2) پارشوا ناتھ(Pārśvanātha)،23ویں تیر تھنکر

(3) نیمی ناتھ(Neminātha)، 22ویں تیر تھنکر

(4) رشبھ ناتھ(Ṛṣabhanātha)، پہلے تیر تھنکر

پہلے حصہ میں جین مذہب کے تیر تھنکروں کی زندگی، ان کی روحانی کامیابیاں، اور ان کی تعلیمات کی تفصیل موجود ہے۔ ابتدائی شویتمبر لٹریچر میں سے کوئی دوسرا متن اتنے منظم انداز میں اس موضوع کو نہیں پیش کرتا۔ دیگر لٹریچر میں تیر تھنکروں کی زندگیوں کے متعلق صرف اشارے ملتے ہیں یا واقعات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ عمومی طور پر ہر تیر تھنکر کی

زندگی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جسے پنچ کلیانک(Pañcakalyāṇaka) کہتے ہیں۔ پہلا گربھ کلیانک(garbha kalyāṇaka)ہے جس میں تیر تھنکر کی ماں 14خواب (یا ڈیگمبر عقیدے کے مطابق 16خواب) دیکھتی ہے اور حمل کا آغاز ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ جنم کلیانک(janma kalyāṇaka)ہے جس میں تیر تھنکر کی پیدائش ہوتی ہے۔ اِندر(Indra) دیوتا خوشیاں مناتا ہے۔ کوہِ میرو(Mt. Meru)پر تیر تھنکر کی مذہبی رسوم ادا کرتا ہے۔ تیسرا حصہ دیکشا کلیانک(dīkṣā kalyāṇaka) ہے جس میں نوجوانی کے زمانہ میں تیر تھنکر گھر کو الوداع کر کے راہبانہ زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ چوتھا حصہ کیول گیان کلیانک(kēvalajñāna Kalyāṇaka)ہے جب تیر تھنکر کو کامل علم عطا کیا جاتا ہے اور پھر وہ تبلیغ کا کام شروع کرتا ہے اور ایک مجلس سماوسرن(samavasarana)کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ہر خاص و عام سے تیر تھنکر خطاب کرتا ہے اور اپنا فرض تبلیغ ادا کرتا ہے۔ پانچواں اور زندگی کا آخری حصہ نروان کلیانک (nirvana kalyāṇaka)ہے جس میں تیر تھنکر اس دنیا کو الوداع کر کے عالمِ ارواح یعنی سدھ لوک میں چلا جاتا ہے۔ یہ پانچ زمانے ہر تیر تھنکر کی زندگی میں عموماً ایک ہی طرز پر آتے ہیں لیکن ان واقعات کا دورانیہ مختلف ہوتا ہے۔

مہاویر کی زندگی:

مہاویر اب تک کے آخری تیر تھنکر ہیں۔ ان کا ذکر کلپ سوتر میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ واحد تیر تھنکر ہیں جن کی زندگی میں "جنین(Embryo) کی منتقلی" کا واقعہ شامل ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دیو آنندہ کا حمل:

کلپ سوتر کے بیان کے مطابق اپنے آخری جنم سے پہلے، جب مہاویر ایک جِن (تیر تھنکر) بنتے ہیں، تو ان کا جنین براہمن رِشبھدتا(Rishabhadatta) کی بیوی دیو آنندہ(Devānandā) کے رحم میں رکھا جاتا ہے۔ اسی عرصہ میں دیو آنندہ 14 خواب دیکھتی ہیں۔ جن میں وہ ایک سفید ہاتھی، ایک بیل، شیر، دیوی شری، پھولوں کی مالا، چاند، سورج، جھنڈا، لبالب بھرا ہوا برتن، کنول کے پھولوں کی جھیل، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، دیوتاوں کی سواری، جواہرات کا ڈھیر، اور بنا دھویں کے آگ کے مناظر شامل ہیں۔

دیو آنندہ اپنے خواب اپنے شوہر کو بتاتی ہیں جو کہ ان کی تعبیر کرتا ہے جس کے مطابق آنے والا بچہ بہترین جسمانی اور ذہنی خصوصیات کا حامل ہوگا۔ یہ تعبیر سن کر دیو آنندہ بہت خوش ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں دیوی دیوتاؤں کے بادشاہ شکرا (Sakra) یعنی اِندر اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ مہاویر نے انسانی جنین کی شکل اختیار کرلی ہے، شکرا، اس پر خوشی مناتا ہے۔

چودہ خواب، جین مندر رسول نگر

جنین کی منتقلی:

پھر شکرا، کو احساس ہوتا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوا، نہ کبھی ہو سکتا ہے کہ معزز شخصیت (یعنی تیر تھنکر) کسی ادنیٰ خاندان میں (یعنی براہمن خاندان) میں پیدا ہو۔ وہ ہمیشہ اعلیٰ اور معزز خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں (یعنی کشتریہ خاندانوں میں)۔ اس لیے وہ فیصلہ کرتا ہے کہ مہاویر کا جنین برہمن خاتون دیو آنندہ سے نکال کر کشتریہ (ksatriya) خاتون ترشلا (Trisala)، راجہ سدھارتھ کی بیوی کے رحم میں منتقل کرنا چاہیئے۔ وہ اپنی پیادہ فوج کے کمانڈر ہرینیگامیشن (Hariṇaigameṣin) کو بلاتا ہے۔ شکرا اسے حکم دیتا ہے کہ جنین منتقل کرے اور پھر اسے رپورٹ کرے۔ ہری نیگامیشن اس حکم کو قبول کرتا ہے، جادوئی طور پر خود کو تبدیل کرتا ہے، رات کے وقت دیو آنندہ کے گھر میں داخل ہوتا ہے، پورے خاندان کو سلا دیتا ہے اور مہاویر کا جنین اس کے رحم سے نکالتا ہے اور وہ کشتریہ خاندان کے گھر جاتا ہے، پورے خاندان کو سلا دیتا ہے اور مہاویر کا جنین ترشلا کے رحم میں پیوست کرتا ہے۔ پھر وہ جنین جو وہ لے کر آیا تھا، برہمن خاتون کے حوالے کرتا ہے۔ پھر وہ اپنے آقا اِندر کو رپورٹ کرتا ہے۔

ترشلا کے خواب:

اسی رات کشتریہ خاتون ترشلا کو بھی 14 خواب آتے ہیں، جو دیو آنندہ کے خوابوں کی طرح ہیں۔ ترشلا اپنے شوہر سدھارتھ کے پاس جاتی ہے اور اپنے خوابوں کی تفصیل بتاتی ہے۔ سدھارتھ وضاحت کرتا ہے کہ یہ ایک ایسے لڑکے کی

پیدائش کی خبر ہے جس میں بہترین جسمانی اور ذہنی خصوصیات ہوں گی۔ اگلے روز سدھارتھ خوابوں کی تعبیر جاننے والوں کو بلاتا ہے۔ یہ درویش پیش گوئی کرتے ہیں کہ وہ بچہ یا تو ایک عالمگیر بادشاہ بنے گا یا ایک تیرتھنکر بنے گا۔

مہاویر کی پیدائش:

گرمیوں کے پہلے مہینے میں مہاویر کا جنم ہوتا ہے۔ اس مبارک واقعے کی تقریبات دس دن تک جاری رہتی ہیں۔ قیدی آزاد کیے جاتے ہیں، ٹیکس ختم کیے جاتے ہیں، اور اسی طرح تحفوں کی بڑی تعداد پیش کی جاتی ہے اور ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نام رکھنے کی تقریب میں بچے کو اپنے والدین کی طرف سے نام وردھمان(Vardhamāna) دیا جاتا ہے۔ بعد میں انہیں شرامن(Śramaṇa) یعنی راہب اور مہاویر یعنی "عظیم ہیرو" کا نام بھی دیا گیا۔

مہاویر کا ترک دنیا:

30سال کی عمر میں، اپنے والدین کی وفات کے بعد، مہاویر اپنے بڑے بھائی سے اجازت لے کر دنیاوی زندگی چھوڑ کر راہب بننے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جین مذہب کے مطابق دیکشا لینے کیلئے اپنے والدین یا سرپرست کی اجازت ضروری سمجھی جاتی ہے۔ تاکہ ان کی تکلیف کا باعث نہ ہو۔ مہاویر کے دیکشا لینے کے اس فیصلے کا جشن دیوتاؤں کی طرف سے منایا جاتا ہے۔ مہاویر اپنی ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ پھر وہ ایک پالکی پر بیٹھ کر شہر کنڈپورہ(Kuṇḍapura) کے میدان میں اشوک کے درخت (جسے ہندوستانی مذاہب میں مقدس مانا جاتا ہے۔) کے پاس جاکر اپنے تمام زیورات اتار کر پانچ مٹھیوں میں اپنے بالوں کو اُکھیڑ لیتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک مکمل راہب بن جاتے ہیں۔ آج بھی جب جین سادھو یا سادھوی دیکشا لیتے ہیں تو یہی عمل کرتے ہیں۔

اگلے تیرہ ماہ تک مہاویر کپڑے پہنتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کپڑے ترک کر دیتے ہیں اور بھیک پر گزارہ کرتے ہیں۔ جین مت میں ترکِ لباس کو ترکِ دنیا اور ترکِ ملکیت کی کامل شکل تصور کیا جاتا ہے۔ اگلے 12 سال، مہاویر صبر کے ساتھ تمام تکلیف دہ آزمائشوں اور دنیاوی لذات کی آزمائشوں پر قابو پاتے ہیں۔ اس دوران وہ ایک راہب کے طور پر سفر کرتے رہتے ہیں، سوائے بارش کے موسم کے۔ اپنی راہبانہ زندگی کے تیرہویں سال میں وہ شدید گرمی کے دنوں میں اڑھائی دن تک بغیر کچھ کھائے پیئے روزہ رکھتے ہیں۔ ایک سال(Sal) کے درخت (رال سفید ؟) کے نیچے مراقبے میں بیٹھے بیٹھے، انہیں کیول گیان یعنی کامل معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ مہاویر اس کے بعد بھی راہبانہ زندگی جاری رکھتے ہیں، مختلف مقامات پر چترماس(Caturmāsa) گزارتے ہیں۔ چترماس یعنی چار ماہ سے مراد برسات کے چار مہینے ہیں جن میں جین سادھو قیام کرتے ہیں تاکہ سفر کے نتیجہ میں برساتی کیڑے مکوڑے ان کے قدموں کے نیچے آکر انجانے میں مر نہ جائیں۔ اس دوران

سادھو درس و تدریس اور تبلیغ کے کام پر زور دیتے ہیں۔جب شہر پاپا(Papa) میں چتر ماس گزار رہے ہوتے ہیں، تو مہاویر کا 72 سال کی عمر میں انتقال ہو جاتا ہے۔

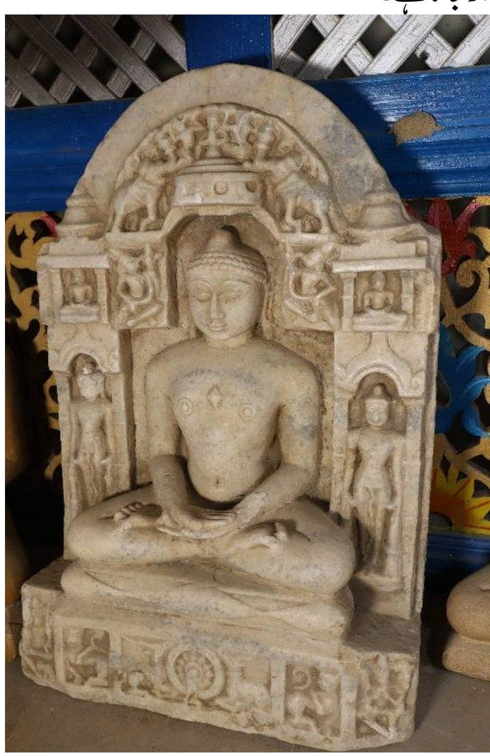

وردھمان مہاویر کی مورتی، مسکین جہان خان میوزیم نگرپارکر

پارشواناتھ کی زندگی:

Lives of the Jīnas میں دوسری کہانی پارشواناتھ(Pārśvanātha) کی ہے، جو23 ویں تیرتھنکر ہیں۔ انکو گوڑیچی بھی کہا جاتا ہے۔ تھرپارکر کا گوڑی مندر انہیں کے نام پر بنایا گیا ہے۔ انکا زمانہ مہاویر سے 250 سال پہلے کا ہے۔

آخری جنم سے پہلے پارشواناتھ پرانتا(Prāṇata) نامی آسمان(جو جنت یا عالم برزخ کا متبادل معلوم ہوتا ہے جس میں جین عقیدے کے مطابق نیک اعمال کے نتیجہ میں لوگ جاتے ہیں اور دیوتا بستے ہیں) میں ایک دیوتا کے روپ میں تھے وہ اپنے آخری جنم کی شروعات واما(Vāmā) نامی خاتون کے رحم میں کرتے ہیں، جو بنارس کے راجہ اشوسینا(Aśvasena) کی بیوی ہیں۔واما بھی حمل کے دوران 14 خواب دیکھتی ہے۔جن کے بعد پارشواناتھ کی پیدائش ہوتی ہے۔

پارشواناتھ 30 سال تک ایک گھر کے فرد کے طور پر زندگی گزارتے ہیں پھر اپنی تمام دولت ترک کر کے غریبوں میں تقسیم کرتے ہیں، ساڑھے تین دن بنا کچھ پیے گزار کر وہ ایک پالکی پر بیٹھ کر بنارس کے میدان میں اشوک

کے درخت کے پاس جاکر اپنے تمام زیورات اتار دیتے ہیں اور پانچ مٹھیوں میں اپنے بالوں کو توڑ کر تین سو ساتھیوں کے ساتھ راہبانہ زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ تراسی دن کے مراقبے کے بعد چوراسی ویں دن انہیں کیول گیان حاصل ہوتا ہے۔

لکڑی پر کندہ کی گئی پارشواناتھ کی مورتی، جین گیلری لاہور میوزیم

اریشٹانیمی کی زندگی:

کلپ سوتر میں تیسرا ذکر ارشٹانیمی (Ariṣṭanemi) کا ہے۔ جس جنم میں وہ تیر تھنکر بنتے ہیں، اس سے پہلے وہ ایک دیوتا تھے جن کا نام اپراجیت(Aparājita) تھا۔ وہ اپنے آخری جنم کی شروعات ملکہ شیوا(Śivā) کے رحم میں کرتے ہیں، جو سمودروِجیہ(Samudravijaya)نامی راجہ کی بیوی تھیں۔ ملکہ شیوا بھی 14 خواب دیکھتی ہیں۔ وہ ایک مکمل صحت مند لڑکے کو جنم دیتی ہیں۔ اس کا نام اریشٹانیمی رکھا جاتا ہے۔ اریشٹانیمی 300 سال تک ایک گھر کے فرد کے طور پر زندگی گزارتے ہیں۔ پھر وہ دنیاداری ترک کر دیتے ہیں۔ اڑھائی دن روزہ رکھنے کے بعد، جس میں وہ کچھ پیتے نہیں، وہ شہر دوَاروَتی(Dvāravatī) کے میدان میں اشوک کے درخت کے نیچے اپنے زیورات اتار کر اور اپنے بالوں کو پانچ مٹھیوں میں توڑ کر ایک ہزار افراد کے ساتھ راہب بن جاتے ہیں۔

اگلے 54 دنوں میں، نیمی ثابت قدمی سے تمام درد کی آزمائشوں اور دنیاوی لذات کی آزمائشوں پر قابو پاتے ہیں۔ 55 ویں دن اریشٹانیمی سورج کی گرمی کا سامنا کرتے ہیں اور ساڑھے تین دن تک بغیر پانی کے روزہ رکھتے ہیں، جس کے بعد وہ ایک درخت کے نیچے گہرے مراقبے میں بیٹھے بیٹھے، وہ کیول گیان حاصل کر لیتے ہیں۔ جین روایت کے مطابق اریشٹانیمی کل 1000 سال زندہ رہتے ہیں۔

20 تیر تھنکروں کی زندگیاں:

اگلا حصہ 20 تیر تھنکروں کا انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر کرتا ہے، جو نامی ناتھ(Naminātha) یا ارہت نامی (جو کہ اکیسویں تیر تھنکر ہیں) سے شروع ہو کر اجیت ناتھ(Ajitanātha) یا ارہت اجیت تک جاتا ہے جو دوسرے تیر تھنکر ہیں۔ یہاں صرف ہر تیر تھنکر کے درمیان کے زمانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی انفرادی زندگیوں کا کوئی واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ طرزِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قاری کو بتایا گیا ہے کہ جیسے آخری تین کے حالات ہیں بنیادی طور پر باقیوں کے بھی ویسے ہی حالات تھے۔ جن کے حالات میں کچھ الگ بات تھی جیسے مہاویر اور آدی ناتھ (رشبھ ناتھ)، انکے حالات قدرے تفصیل سے آگئے ہیں۔

رشبھ ناتھ کی زندگی:

رشبھ ناتھ پہلے تیر تھنکر تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی قدرے تفصیل کے ساتھ کلپ سُوتر میں درج ہیں۔ جس جنم میں وہ تیر تھنکر بنے، جین روایات کے مطابق اس سے پہلے وہ ایک دیوتا تھے جن کا نام سَر وار تھ سِدھ(Sarvārtha-siddha) تھا۔ وہ اپنے آخری جنم کی شروعات مارو دیوی(Marudevī) کے رحم میں کرتے ہیں، جو نا بھی(Nābhi) نامی راجہ کی بیوی ہیں، جن کا تعلق شہر ایکشواکو-بھومی(Ikṣvāku-bhūmi) سے تھا۔

ماروديوی بھی 14 خواب دیکھتی ہیں، لیکن پہلا خواب ہاتھی کی بجائے بیل کا ہے۔ ماروديوی ایک مکمل صحت مند لڑکے کو جنم دیتی ہیں۔ ان کا نام رشبھ رکھا جاتا ہے، جو کہ پہلے بادشاہ، پہلے بھکشو، پہلے جِن اور پہلے تیر تھنکر کہلائے۔ ان کا نام آدی ناتھ بھی ہے جس کا مطلب ہے پہلا استاد۔ رشبھ ناتھ نے جین روایت کے مطابق لاکھوں سال ایک شہزادے کے طور پر اور پھر لاکھوں سال ایک بادشاہ کے طور پر زندگی گزاری۔ اپنے دور حکومت میں وہ 72 فنون، 64 ایسے فنون جن میں خواتین مہارت رکھتی ہیں، 100 ہنر اور 3 پیشے سکھاتے تھے۔ انہوں نے اپنے 100 بیٹوں کو بادشاہ بنایا۔

اس کے بعد بادشاہ اپنی تمام دولت اور اثاثے ترک کر کے غریبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک پالکی میں بیٹھ کر، وہ شہر ونیتا(Vīnitā) کے سدار تھوانا(Siddhārthavana) نامی میدان میں اشوک کے درخت کی طرف بڑے شاندار انداز میں بڑھتے ہیں۔ اپنی پالکی سے اتر کر، رشبھ اپنے تمام زیورات اتار دیتے ہیں اور اپنے بالوں کو چار مٹھیوں میں توڑ لیتے ہیں اور چار ہزار ساتھیوں کے ساتھ راہب بن جاتے ہیں۔

اگلے ہزار سالوں میں وہ صبر کے ساتھ تمام درد کی آزمائشوں اور دنیاوی لذات کی آزمائشوں پر قابو پاتے ہیں۔ سوائے بارش کے موسم کے وہ ایک راہب کی طرح سفر میں رہتے ہیں۔ پھر وہ تین دن اور آدھے دن تک بغیر پانی کے

روزہ رکھتے ہیں۔ ایک نیگرودھا(nyagrodha) یا برگد کے درخت کے نیچے مراقبے میں بیٹھے بیٹھے، وہ کیول گیان حاصل کر لیتے ہیں۔ رشبھ کے 84 گن(Gana) یا گروہ اور 84 گندھارہ (Ganadhāra) یعنی ہر گروہ کا قائد مقرر کیا گیا۔ یہی رشبھ ناتھ کے اہم شاگرد ہیں۔

مورتی رشبھ ناتھ، مسکین جہان خان میوزیم، نگرپارکر

حصہ دوم: ستھویراولی(Sthavirāvalī):

کلپ سُوتر کا دوسرا حصہ ستھَ ویراولی یعنی "بزرگوں کی لڑی The Strings of Elders" ہے۔ اس کے زیادہ تر اشعار ستھَ ویروں کے ناموں کی فہرست پر مشتمل ہیں۔ یہ فہرست محض ایک تاریخی ریکارڈ ہی نہیں بلکہ عقیدت کا اظہار ہے، جس میں بزرگوں کی تعظیم کا اظہار کیا گیا ہے۔ آخری 13 اشعار میں یہ تعظیم "میں فلاں کو سلام کرتا ہوں" کی صورت میں نمایاں ہے۔

اس حصہ میں ان ابتدائی استادوں یا راہبوں کی فہرست پیش کی گئی ہے جنہوں نے جین مت کی تعلیمات کو محفوظ رکھا۔ یہ فہرست مہاویر کے شاگردوں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام "دیواردھی شماشرامنا پر ہوتا ہے، جنہوں نے پانچویں صدی عیسوی میں ولبھی کی مجلس میں شیویتمبر متون کی تدوین اور تحریر کی نگرانی کی۔

جین مت میں ستھَ ویر(Sthavira)اُن ابتدائی شاگردوں کو کہا جاتا ہے جو جین مت کے تیرتھنکروں، خصوصاً 24 ویں تیرتھنکر مہاویر کے قریبی ساتھی تھے۔ یہ بزرگان جین برادری میں اہم مقام رکھتے تھے اور مہاویر کے بعد جین تعلیمات کو محفوظ رکھنے اور پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

حصہ سوم: ساماچاری(Sāmācāri):

کلپ سُوتر کا تیسرا حصہ "سَاماچَارِی"یعنی راہبانہ طرزِ عمل(Rules for Yatis) کہلاتا ہے۔ یہ حصہ خاص طور پر بارش کے موسم کے دوران راہبانہ زندگی سے ہے۔ یہ عرصہ عام طور پر چار ماہ کا ہوتا ہے، جس کو سنسکرت میں چترمَاسَا(caturmāsa)یعنی چارماہ کہتے ہیں۔ یہ مہینے جولائی سے اکتوبر تک ہوتے ہیں۔

بارش کے موسم کے دوران بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ جین راہبوں کو اپنے سفر ترک کر کے ایک جگہ رکنا ہوتا ہے۔ کیونکہ راہب اور راہبائیں صرف پیدل سفر کرتے ہیں اور ننگے پاوں چلتے ہیں، اور اکثر طوفانی بارشوں کے دوران سڑکیں اور راستے چلنے کے لیے بالکل غیر موزوں ہوتے ہیں۔ نیز زمین پر پودوں اور حشرات کی زندگی کے احترام کا اصول (آہنسا) زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔

اس حصہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ مون سون کے دوران راہبوں کو کیسے چلنا، کھانا، سونا، اور دیگر سرگرمیاں انجام دینی چاہئیں تاکہ وہ نادانستہ طور پر کسی بھی جاندار کو نقصان نہ پہنچائیں۔ یہی طرز عمل "پُرُیُوشَن" نامی مذہبی تہوار کا حصہ ہے، جو مون سون کے دوران منایا جاتا ہے۔

Bibliography

Bhadrabahu. (1964). Jaina Sutras: Kalpa Sutra. In M. Muller (Ed.), *Sacred books of the East* (H. Jacobi, Trans., 2nd ed., Vol. XXII, pp. 217-311). Delhi: Motilal Banarsidas.

Bhattacharya, B. C. (1939). *The Jaina Iconography.* Lahore: Motilal Banarsidass.

Doshi, S. V. (1979). *"The Pancha Kalyanaka Pata; School of Aurangabad," Homage to Kalamkari.* Bombay: Marg Publications.

Dundas, P. (2002). *The Jains* (2nd ed.). London: Routledge.

Gupte, R. S. (1972). *Iconography of The Hindus, Buddhists and Jains.* Bombay: D. B. Taraporevala Sons and Co Private LTD.

ردّ دہریت

ایک معروف دہریہ Richard Dawkins کے اعتراضات کے جواب

(وسیمہ اُپل صاحبہ (آسٹریلیا) بنت پروفیسر چوہدری رحمت علی مسلم صاحب (مرحوم))

کائنات کے عجائبات اور عظیم طاقت

گزشتہ پانچ شماروں سے مشہور دہریہ مصنف رچرڈ ڈاکنز کی کتاب "The God Delusion" کے حوالہ سے بعض حقائق کو پیش کیا جارہا ہے جس سے اس کتاب کے مندرجات کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ گزشتہ شمارہ میں قارئین کے سامنے قرآن مجید کی ان مختلف آیات کا حوالہ دیا گیا تھا جو کائنات کے آغاز کو بیان کرتی ہیں اور پھر اس کائنات میں موجود مختلف قوتوں اور ان کے درمیان باہمی ربط اور توازن کو بیان کرتی ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں دکھایا گیا تھا کہ یہ سب باتیں قرآن مجید نے آج سے 1500 سال پہلے بیان کی تھیں اور آج سائنس ان کی جو تشریح کرتی چلی جارہی ہے تو انسان ورطہ حیرت میں ہے کہ یہ حقائق کیسے عظیم الشان ہیں۔ اسی سلسلہ میں کچھ مزید چیزیں آج قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہیں۔

ایک اور اہم واقعہ جو ابتدائی کائنات میں Big Bang کے بعد ہوا وہ اس کا پھیلنا اور وسیع ہونا تھا۔ جب مادہ بننے لگا تو Dark Energy نے اسے وسعت دی تاکہ خلا اس مادے کو سنبھال سکے اور پھر آج سے قریب 5 بلین سال قبل یہ رفتار تیز تر ہونے لگی۔ اس سے قبل gravity کو وقت ملا کہ وہ مادہ کو اپنی طرف کھینچے اور ستارے اور galaxies بن سکیں۔ اس لئے شروع میں پھیلنے کی رفتار آہستہ تھی اور ستارے اور کشش ثقل galaxies بنانے کا کام کر رہی تھی پھر expansion rate زیادہ ہونے لگا۔ سائنس دانوں نے بتایا ہے کہ expansion rate کا یعنی رفتار بڑی ہی

controlled تھی تا کہ hydrogen سے gravity کی مدد سے ستارے بننے کا عمل ہوتا رہا۔

ان حالات کو کائنات کے ابتدائی دور میں کنٹرول کرنے والے اور بھی بہت سے عوامل اور parameters تھے مثلاً روشنی کی رفتار اور atoms اور subatomic particles پر مادہ اور روشنی کیسے اثر انداز ہو رہی تھی۔ اس حوالہ سے پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب نے بتایا کہ particles جیسے کہ روشنی کے photons اور ایٹم کے بہت چھوٹے ذرات یعنی sub-atomic particles لہروں کی طرح behave کر سکتے ہیں کیونکہ وہ duality کا اصول follow کرتے ہیں۔ یعنی وہ particles کی طرح بھی behave کرتے اور wave یعنی لہروں کی طرح بھی۔ یہ بھی ایک بہت اہم چیز ہے کہ کائنات کے شروع کے عرصے میں اسی طرح کی duality (Quantum fluctuation) نے کائنات کو وسعت دینے میں اور رفتار کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے مدد کی ہو گی۔

اگرچہ ابھی بہت کچھ معلوم کرنا باقی ہے لیکن ایک حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس رفتار اور اثر انداز ہونے والی طاقتوں کی بہت ہی precise values تھیں نہ ضرورت سے کم اور نہ ضرورت سے زیادہ بلکہ just the right amount. کائنات ضرورت سے نہ بہت گرم ہوئی اور نہ بہت ٹھنڈی۔ gravity بھی نہ ضرورت سے کم اور نہ ہی زیادہ بلکہ بالکل درست مقدار میں۔ روشنی کی رفتار نہ تیز ہوئی نہ آہستہ بلکہ مناسب expansion ہوتی رہی۔ سب کچھ بہت ہی طریقے اور سلیقے سے ہوا کیونکہ ایک مدبر بالا تھا جس نے غیر معمولی تدبیر سے یہ سب کام کیا۔ **بہت سے سائنس دانوں کی سوچ ہے کہ کائنات کا بہت بلیغ نظام تھا اور اس نظام کو بنانے والے نے ایسے parameters بنا رکھے تھے کہ انسان جو باشعور ہو اگر وہ غور و فکر کرے اور اپنے خالق کی تخلیق کو دیکھے تو اسے پہچان جائے** مثلاً اگر انسان کائنات کے وسیع ہونے کا مضمون سمجھ لے اور یہ کہ کائنات ابھی بھی وسیع ہو رہی ہے تو وہ جان لے گا کہ galaxies ابھی بھی بن رہی ہیں اور تخلیق کا عمل ابھی بھی جاری ہے اور یہی قرآن میں بتایا گیا ہے: اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۔(الاحقاف: 34)

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس بات پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

آج Cosmology کا علم ہمیں یہ تو نہیں بتاتا کہ کائنات کے بننے کے عمل میں کیوں limits تھیں اور کیوں اور کیسے اس کا نظام اتنا مکمل کنٹرولڈ سسٹم ہے لیکن یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک بہت ہی بہت خوبصورت

توازن ہے۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ

ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ۔(الملک: 5،4)

وہی جس نے سات آسمانوں کو طبقہ در طبقہ پیدا کیا۔ تُو رحمان کی تخلیق میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا۔ پس نظر دوڑا۔ کیا تو کوئی رخنہ دیکھ سکتا ہے؟ نظر پھر دوسری مرتبہ دوڑا، تیری طرف نظر ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہوگی۔

اگر یہ اتنا درست عمل نہ ہوتا تو یا تو یہ کائنات بن ہی نہ پاتی یا پھر یہ سب مادہ collapse کر جاتا۔

2018ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ کے ایک پروفیسر نے BBC کے ٹی وی پروگرام میں بتایا کہ Big Bang کے بعد energy کی uniform تقسیم (distribution) ایک بہت بڑی Mystery ہے اور حد درجہ کی مثالی Fine Tuning ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے 1979ء میں Super Symmetry کے بارے میں prediction کی تھی جس میں W اور Z Bosons اور Higgs Boson کا تصور پیش کیا تھا جس نے ایک ایسا مناسب ماحول مہیا کیا اور سب ایٹمز کو mass دیا جو مادہ اور پھر elements بننے کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ چنانچہ 4 جولائی 2012ء کو سائنس دانوں نے اسے تصور کی حقیقت کو سوئیٹزرلینڈ کے Large Hadson Collider کی مدد سے دریافت کیا اور اگلے سال جب دو سائنس دانوں کو اس تصور کی حقیقت جاننے پر جب نوبل انعام ملا تو CNN پر پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کی تصویر دکھا کر اعلان کیا گیا کہ 1979ء میں انہوں نے اس Boson کے بارے میں پہلے ہی بتا دیا تھا۔

جب بھی سائنس دان کسی چیز کے بارے میں ششدر رہ جاتے ہیں تو یا تو اسے Mystery کا نام دے دیتے ہیں یا کہتے ہیں کہ یہ ہماری آنکھوں سے اوجھل یعنی invisible ہے یعنی یہ Dark Energy کی طاقت سے ہوا ہے۔ لیکن دراصل اس کے پیچھے خدا کی ذات ہی ہوتی ہے جس نے اس ابلغ، مستحکم اور محکم نظام کو بنایا ہے جو جتنا جتنا جب جب چاہتا ہے انسان کو علم عطا کرتا ہے اور اس سے آگے بڑھنے کی انسان میں طاقت نہیں ہوتی جب تک خدا تعالیٰ کا اذن نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

وَ لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَ ہُوَ

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۔(البقرہ: 256)

اور وہ اُس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر ممتد ہے اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں۔ اور وہ بہت بلند شان (اور) بڑی عظمت والا ہے۔

Sir Rogr Penrose نے کہا تھا کائنات کی تخلیق کی ابتدا سے ہی بہت سے معجزات تھے اور شروع سے ہی خدا تھا۔ اس کے علاوہ امریکی فلاسفر William Graig بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکا کہ خدا شروع سے تھا۔

ہماری کائنات کی وسعت اتنی ہے کہ عقل اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ بعض سائنسدان تو اس حد تک جاتے ہیں کہ صرف یہی کائنات نہیں بلکہ دیگر بہت سی dimensions میں اور بھی بہت سی کائناتیں ہیں جو ہماری کائنات کے متوازی چل رہی ہیں اگرچہ جمہور سائنسدان اس نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔

Brian Cox جو مانچسٹر یونیورسٹی میں فزکس اور astronomy کے پروفیسر ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ ممکن ہے بہت سے Big Bang ہوئے ہوں۔ ان کے خواص اور dimensions ہوں۔ یہ نظریہ ہماری کائنات کے بہت سے اسرار (mysteries) میں سے ایک ہے۔ اسی طرح یہ نظریہ بھی بہت حیرت انگیز ہے کہ ان کائناتوں میں بھی زندگی بن رہی ہو گی یا بن چکی ہو گی۔ کائنات کی حرکت بھی ایک بہت حیران کن phenomena ہے۔ اور پھر اس کے اجرام کی دو طرح کی حرکتیں ہیں۔ مثلاً اگر ہم اپنی کہکشاں ہی کو لیں تو ہماری کہکشاں یعنی Milky Way کا اپنے مرکز کے اردگرد گھومنا اور Milky Way کے اندر ہی گھومنا، یہ دونوں حرکتیں دراصل ایک بہت خوبصورت entanglement پر مشتمل رقص ہے۔ اسی طرح یہ حرکت اتنے بڑے نظام میں بہت ہی ابلغ اور محکم طریق سے جاری ہے اور ویسی ہی ہے جیسے چھوٹے سے چھوٹے ایٹم میں اس کے مرکز کے گرد electrons کی گردش جاری ہے۔ اسی طرح انسانی دماغ میں برقی توانائی (electric impulses) کا دوڑنا ہے، یہ سب بہت پراسرار ہے اور ایک دوسرے سے مربوط نظام ہے۔ غرض انسانی جسم میں بھی وہی متوازن نظام نظر آتا ہے جس قسم کائنات میں ہے۔ اسی توازن سے انسانی جسم میں homeostasis ہے۔ کائنات میں بھی ربط کا ایک بہت intricate سسٹم ہے جسے Quantum entanglement کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کائنات کے عجائبات اور عظیم طاقت

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے منظوم کلام میں اللہ تعالیٰ کے لئے ''خدائے ذوالعجائب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سائنس دان جو cosmologist اور astrophysicist ہیں جیسے مانچسٹر یونیورسٹی کے پروفیسر Brian Cox اور

مشہور امریکی سائنسدان Brian Greene جو کولمبیا یونیورسٹی میں فزکس اور mathematics کے پروفیسر ہیں اور centre for theoretical physics کے ڈائریکٹر ہیں اور ان کے علاوہ اور بہت سے ماہرین فزکس، ماہرین فلکیات اور حساب دان، جن میں سے کئی نوبل انعام یافتہ ہیں، کہتے ہیں کہ کائنات کے کئی phenomenon دراصل عجائبات یا mysteries ہیں۔ یہ ایسے سلسلے ہیں جنہیں ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جتنی زیادہ ہم تحقیق کرتے ہیں اتنی ہی نظر اور عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ Brian Green نے 1999ء میں اسی موضوع پر ایک پوری کتاب لکھی تھی، جس کا نام The Elegent Universe تھا اور پھر ایک اور کتاب 2011ء میں The Hidden Reality کے نام سے تحریر کی۔ اسی طرح Brian Cox کے BBc2 پر tv پروگرام 2010، 2011، 2013 میں نشر ہوئے جن کے عنوان تھے۔

Wonders of Solar System

Wonders of the Universe

Wonders of Life

ان سب میں کائنات کے ان حیران کن اسرار کا ذکر ہے جس سے انسان ورطہ حیرت میں جا پڑتا ہے۔

بہت سے اور سائنس دان بھی مانتے ہیں اور ماضی میں بھی تسلیم کرتے آئے ہیں کہ کائنات کے بہت سے اسرار مثلاً Higgs Bosson,The Standard Model,Symmetry and Beauty (کائنات میں اور زمین پر زندگی Living organisms) میں جو خوبصورتی اور Symmetry ہے وہ خود بخود نہیں بلکہ ان سب چیزوں کے پیچھے ایک زبردست طاقت کام کر رہی ہے۔

ایک مشہور امریکی Theoratical Physics کے پروفیسر Michio Kaku نے BBc. Tv اور Science چینل میں اپنے کئی پروگرامز میں کہا کہ وہ اس خدا کو مانتا ہے جس کے بارے میں آئن سٹائن نے بھی کہا تھا God of Spinoza[1] یعنی جو جو کائنات کی اس harmony میں نظر آتا ہے۔

---

[1] باروخ اسپینوزا (ایک یہودی فلاسفر) کے نزدیک خدا کوئی ذاتی ہستی (جو دعائیں سنتی ہو یا معجزے کرتی ہو) نہیں ہے۔ اسپینوزا کے مطابق خدا دراصل کائنات کے قوانین میں ہمیں نظر آتا ہے یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہے — قوانین، مادہ، توانائی — سب خدا ہی کے مظاہر ہیں۔ خدا ایک لامحدود، ابدی اور مکمل حقیقت ہے، جو ہر چیز میں موجود ہے۔ آئن اسٹائن نے اسپینوزا کے خدا پر ایمان رکھنے کی بات کی تھی۔ وہ کسی ذاتی خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے جو انسانوں کی قسمت بدلتا ہو یا عبادتوں کا جواب دیتا ہو۔ ان کے لیے خدا کائنات کے خوبصورت، پیچیدہ اور اصولی نظم میں ظاہر ہوتا تھا۔ جیسا کہ قدرت کے قوانین میں ہم دیکھتے ہیں۔

13 جون 2024ء کو ایک گفتگو کے دوران ماہر طبیعات (physics) Dr. Robert Kurland نے کہا کہ آج جو کچھ سائنس بتاری ہے اس میں اور مذہب میں کوئی تضاد نہیں۔ فزکس کے ہی نوبل انعام یافتہ پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب نے بھی آج سے پچاس سال قبل یہی بات کہی تھی۔ آج سے سو سال سے زائد عرصہ قبل مشہور نوبل انعام یافتہ Quantum Electrodynamies کے پروفیسر Richard Feyman نے کہا تھا کہ جس طرح آپ خدا کے بارے میں یہ نہیں بتاسکتے کہ وہ کیسا ہے، چھپا ہے، کدھر ہے۔ اسی طرح Quantum mechanies کے بارے میں بھی آپ کچھ نہیں بتاسکتے۔ Quantum entanglement اور کائنات کی ہر stage میں Quantum mechanical models خدا کی symmetry اور خوبصورتی دکھائی دیتی ہے۔

پس آئن سٹائن ہو یا Benedict Baruch Spinoza جو ایک ڈچ یہودی فلاسفر تھا یا Michio Kaku یا پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب سبھی نے جب کائنات پر غور کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ اس حسن اور ترتیب کو بنانے والا خدا ہی ہے۔ یہ نہ تو خود بخود اور نہ ہی کسی Blind Evolution کا نتیجہ ہے۔ سچ تو یہی ہے کہ خدا کی nature معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اس کو اس کے فعل سے اس کی تخلیق سے پہچاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

1965ء میں سائنس دانوں نے اپنے حسابات کی رو سے Higgs particle کی پیشگوئی کی اور آئن سٹائن کی، 1915ء میں بتائی ہوئی gravity کو بہتر طریقے سے واضح کر کے کہا کہ کائنات کا fabric یعنی space-time کا تانا بانا سیدھا نہیں بلکہ curved ہے۔ 1919ء میں جب مکمل سورج گرہن لگنے کا وقت آیا تو Sir Arthur Eddington۔ افریقہ کے دور دراز جزیرے Principe میں تھے۔ 28 مئی 1919ء کو وہ یہاں پہنچے اور جب اگلے دن مکمل سورج گرہن ہوا تو اندھیرے کی وجہ سے وہ ان ستاروں کی پوزیشن دیکھ سکے جن کی اصل صحیح پوزیشن وہ پہلے ہی calculate کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی calculation سے یہ ثابت کیا کہ:

> Accurate measurements of the star's gravity-shifted position in the sky during total solar eclipse.

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان ستاروں کی روشنی جب سورج کے gravitational field سے گزری تو اس نے space time کو curve کیا اور انہی ripples کو 2015ء میں سائنس دانوں نے ثابت کر کے نوبل انعام حاصل کیا جس کا ذکر میں نے پہلے ہی اپنے اس مضمون کی ایک قسط میں gravitational waves کے تحت کیا تھا۔ پس سورج گرہن سائنسی حقائق کو دکھانے کے لئے اور خدا کے عجائب میں سے بعض پر سے پردہ اٹھانے کے لئے ایک بہت بڑا نشان ہے۔

آج سائنس دان بتاتے ہیں، جیسا کہ Michio Kaku کہتا ہے کہ آئن سٹائن کی تھیوری آف Realtivity کے مطابق Big Bang تب ہوا جب وہ Gravity جو اندر کی طرف کھینچتی تھی break کر گئی اور ایک repulsive gravity کی وجہ سے سب کچھ باہر کو کھل گیا۔

Professor Brian Cox نے بھی یہی کہا کہ repulsive gravity بہت زیادہ powerful تھی اور اسی کے ساتھ Dark Energy بھی بے حد طاقتور تھی۔ یہ ایسی انرجی تھی جس کو ہم نہیں جانتے اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ مگر وہ ہر طرف ہر جگہ ہر وقت تھی اور uniformally spread ہے۔

اور یہی طاقت جس کو ہم repulsive gravity کہتے ہیں اور یہ کائنات کو expand کروا رہی ہے اور یہ طاقت ستاروں کے Black holes بننے سے پیدا ہوتی ہے اور کائنات کو وسعت دینے میں اس کا ہاتھ ہے۔ (ہاں وہی وسعت جس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے، جس کا ذکر ہم مضمون میں پہلے کر چکے ہیں۔)

1998ء میں شروع کی گئی وہ تحقیق جو کائنات کے وسعت پذیر کے بارے میں تھی، 2011ء میں اس کے ثابت ہونے پر تین سائنس دان: Saul Perlmutter, Brian Schmidt, Adam Riess نوبل انعام کے حقدار قرار پائے۔ اور پھر ثابت ہوا کہ جو بھی سائنسی تحقیق کائنات کے بارے میں ہوتی ہے خدا کے وجود کی ہی تصدیق کرتی ہے اور دہریہ لوگوں کو شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے۔

Brian Greene جو Columbia University میں فزکس کا مشہور پروفیسر ہے اس نے بھی کہا کہ ” اور بھی Big Bang ہوتے رہے ہوں گے ان کے کیا خواص کیا dimensions ہیں ہم نہیں جانتے۔ ہم ان میں سے ایک پر ہیں جس پر زندگی ہے اور اس زندگی کا ممکن ہونا عجائبات میں سے ہے۔“ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے خدا کو ذوالعجائب مانتے ہیں۔

1922ء میں Alexander Friedman نے ایک Mathematical equation سے expansion کے بارے میں بتایا تھا اور اس سے 100 سال قبل ابن سینا نے Big Bang اور singularity کی بات کی تھی۔ اس لئے پیچھے ماضی میں جا کر مسلمانوں کے سنہری دور میں بھی اس حوالہ سے بہت زیادہ information حاصل کی جا سکتی ہے۔

بہر حال بہت سے سائنس دان یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ یہ کائنات یہ دنیا ایسے ہی نہ تو اچانک وجود میں آ گئی اور نہ ہی بے مقصد Michio Kaku کہتا ہے کہ: خدا کو دنیا سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اس planet کو بالکل درست جگہ پر رکھا ہے۔ سورج سے نہ تو دور اور نہ نزدیک۔ اب ہم جانتے ہیں کہ ہزاروں اور planets بھی ہیں جو دوسرے ستاروں (suns) کے گرد گھوم رہے ہیں اور سب یا تو اپنے ستاروں سے بہت دور ہیں یا بہت نزدیک۔ Michio Kaku کا یہ تجزیہ

دہریت کے حامیوں اور Dawkins کو غلط ثابت کرتا ہے۔

سائنس دان آج بھی ششدر Bewildered رہ جاتے ہیں جب یہ سوال ان کے ذہن میں آتے ہیں۔

تمام اجرام فلکی Spherical گول کیوں ہیں؟

تمام اجرام فلکی کیسے float کررہے ہیں۔ تیر رہے ہیں؟ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔(الانبیاء: 34)

کیا کوئی پراسرار طاقت ان کو کنٹرول کر رہی ہے؟

کیا کائنات کا ایک کنٹرولر ہے؟

کیا کائنات میں قوانین کار فرما ہیں؟

کیا پوشیدہ، لطیف طاقت ہے؟

کیا ایسی قوی ہستی ہے جس نے خوبصورت توازن قائم رکھا ہوا ہے؟

Gravity۔<u>Quantum mechanics, Dark energy</u> ابھی بھی فزکس کے ایسے راز جن کی حقیقت معلوم نہیں۔

Professor Brian Cox نے کہا:

"ایک ایسی طاقت ہے جو چھپی ہوئی اور بہت خوبصورت ہے"

Comprehensible and incomprehensible at the same time.

Michio Kaku کے خیالات کے لئے پڑھیں:

The Universe unveiled: Michio Kaku's insight into the Aestheties of Space and Divine Presence.

اسی نے کہا تھا کہ ہمیں یقین ہے کہ Big Bang کا ہونا ایک Quantum event تھا اور Quantum event میں جو کچھ ایک بار ہوتا ہے وہ بار بار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے سٹیفن کی تھیوری old ہے اور غلط ہے۔ ہم اس کو نہیں مانتے کہ خود بخود ہو گیا۔ Michio Kaku نے کہا:

There was enough time for a God to creat the Universe

اس لئے Stephen Hawkins غلط ہے کہ خدا نہیں اور خدا کا کائنات کی تخلیق میں ہاتھ نہیں۔

Astrophysies فزکس کا ایک وسیع میدان ہے جس میں سائنس دان کھوج لگانے میں مصروف ہیں کہ gravity کیا ہے؟ اور کیسے کام کرتی ہے؟ space time کی اہمیت کیا ہے؟ نیوٹن جانتا تھا اور آئن سٹائن بھی کہ یہ ایسی force ہے جو زمین کو اور دوسرے planets کو ان کے orbits میں سورج کے گرد گھمارہی ہے۔ آئن سٹائن نے وہ بتایا جو نیوٹن کے بعد دوسو سال تک کوئی نہ بتاسکا تھا کہ سورج اور planets کے بیچ میں خلا نہیں بلکہ کچھ اور ہے جو ان objects کو move کرواتا ہے۔ آئن سٹائن کے اس نظریہ کو ایک سو سال گزرنے کے بعد سائنس دان ثابت کر سکے کہ سورج کی وجہ سے یا اسی طرح کسی neutron stars کے مدغم ہونے کی وجہ سے space time میں ripples پیدا ہوتی ہیں جو ان objects کو move کروانے میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً زمین کو دیکھو چاند کیسے اس کے ساتھ ساتھ float کرتا ہے۔ بڑی ترتیب سے کیسی harmony ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی بھی gravity ہے جو اس fabric میں curvature یا ripple پیدا کرتی ہے۔ اور یہی چاند کو اس کے رستے پر چلاتا اور باقی planets کو بھی چلاتا ہے۔ 2015ء میں یہی ثابت ہوا کہ دو تیزی سے گھومنے والے ستارے بلیک ہول بناسکتے ہیں اور پھر ان کی force بجلی کی رفتار سے چلتی ہے اور وہ ripple پیدا کرتی ہے۔ اور سب object تیرتے چلے جاتے ہیں۔

ہر شے مسافر ہر چیز راہی　　　　کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

اور یہ space time/curvature جس کی وجہ سے سب planets اپنے رستوں پر رواں ہیں کائنات کے cyclic model یعنی بننے اور ختم ہونے پر وجود میں آتا رہتا ہے اور یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ آئن سٹائن کی Theory of General Relativity نے فزکس کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آئن سٹائن کو 1905ء میں روشنی اور energy کے بارے میں ایک نئی حقیقت معلوم ہوئی photoelectric effect جو Quantum mechanics کے لئے corner stone تھا اور جس سے پھر physics اور Modern technology کی طرف سفر شروع ہو گیا۔

آئن سٹائن نے یہ بھی کہا تھا کہ ہر چیز energy ہے اور یہی حقیقت ہے جیسے کہ انسان ایک حقیقت ہے اور یہ حقیقت energy کی frequency اور vibration سے مل کر بنی ہے۔ میں اور آپ خود مختار autonomous ہیں جو چاہیں کریں۔ مگر فزکس کے تعلق سے Quantum Entanglement میں اگر دو particles یا subatomic particles اکٹھے ہیں اور ایک دوسرے سے تعلق پیدا کر لیتے ہیں، خواہ یہ تعلق تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو اور پھر

بے شک یہ الگ ہو جاتے ہیں اور بہت دور دور چلے جاتے ہیں تو سائنس کی رو سے وہ خود مختار نہیں ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے پر انحصار کرتے رہتے ہیں خواہ ان کے درمیان کتنے بھی فاصلے کیوں نہ ہو جائیں۔ سائنس دان اپنے حسابات کی رو سے اس عمل کو ثابت کرتے ہیں کہ ان کا action at a distance ہے اور آئن سٹائن کے مطابق یہ ایک عجیب وغریب اور spooky عمل ہے۔ Professor Brian Greene دو particles کا behaviour اس طرح بتاتا ہے کہ آپ کچھ action نیویارک میں کرتے ہیں اور اسی لمحے اس کا اثر دور دراز California میں پہنچ جاتا ہے۔ یہی Quantum entanglement ہے کہ دور دور بہت دور space میں particles ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ ان میں ہزارہا میل کا فاصلہ ہے Brian Greene نے کہا کہ:

"انسان کا دوسرے سے دور دراز تعلق کس طرح ہو سکتا ہے میرے لئے وضاحت کرنا بہت مشکل ہے۔ آئن سٹائن نے اس کو spooky action کہا تھا۔ اس کو فزکس اور Maths کی equation سے ہی میں بتا سکتا ہوں۔ ہر particle کی ایک quantum wave ہے جس کا ایک piece پھیل کر ایک جگہ سے دوسری جگہ دور دراز پہنچ جاتا ہے۔ جب میں اس particle کے ساتھ interact کرتا ہوں مثلاً یہاں نیویارک میں تو اسی لمحے وہ عمل اس wave پر اثر انداز ہو جاتا ہے California میں تبدیلیاں ہو جاتی ہیں اگرچہ میرا action نیویارک میں ہے۔"

اب ہمیں سمجھ آگئی کہ پروفیسر Brian Greene کیا واضح کر رہا ہے وہی جو حضرت عمرؓ نے مدینہ میں کہا تھا: "يَا سَارِيَةَ الْجَبَل" اور اسی لمحے دور دراز ساریہ اور اس کی فوج نے سن لیا۔ غرض یہ سب باتیں دراصل قرآن کی صداقت ہی ثابت کر رہی ہیں اور یہی دکھا رہی ہیں کہ سب انہی قوانین قدرت کے تحت ہوتا ہے جو اسلام کے خدا نے بنائے ہیں انہی قوانین سے ہماری کائنات اتنی خوبصورت ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کا ایک خالق ضرور ہے۔

(جاری ہے)

❁❁❁❁❁

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور | تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے رسالہ "موازنہ مذاہب" کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

"ایک (نیا) رسالہ جاری کیا گیا......... تھا۔ یہ ماہانہ رسالہ ہے "موازنہ مذاہب" جو یہاں یوکے سے چھپتا ہے اور اس میں بڑے اچھے علمی اور تحقیقی مضامین ہوتے ہیں۔ لوگوں کو بڑے پسند آرہے ہیں، اس کی ضرورت تھی اور گو اس وقت اس کی تعداد کم ہے لیکن اس کے بارے میں میں کہنا چاہتا ہوں جو لوگ اردو پڑھنا جانتے ہیں اُن کو اس رسالہ کا خریدار بننا چاہیئے۔ اس میں کافی اچھے مضامین ہیں بلکہ بعض مضامین کے ترجمے کر کے ریویو آف ریلیجنز میں بھی شائع کئے جارہے ہیں۔"

(دوسرے دن کا خطاب، جلسہ سالانہ یوکے 2012ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 9 اگست 2013، صفحہ 2)

Monthly

Registration No: PUNBIL/2018/75031

Postal Registration No: GPD- 47/ 2023-2025 for the calendar year 2025

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

Printed on 5th June 2025

Editor: Muhammad Hameed Kausar

JUNE 2025 | EHSAN 1404(HS)| DHUL HIJJA 1446(HQ)| VOL.08 NO.06

Printed and Published by Jameel Ahmad Nasir, Owned by the Board of MUWAZNA-E-MADHAHIB, Printed at Fazl e Umar Printing Press Harchwal Road, PO-Qadian. District Gurdaspur-143516, Issued at the office of MUWAZNA-E-MADHAHIB, Mohalla Ahmadiyya Qadian, PO- Qadian. District Gurdaspur- 143516, Punjab.

Editor: Muhammad Hameed Kausar